ناولٹ

دل کی باہوں میں تجھے قید کروں

پسند آئے گا۔ بہت سی دعائیں پاکیزہ والوں کے نام۔

فقط آپ کی مخلص بہن
سہیل خان، جدہ، سعودی عرب

جب اتنی جاں سے محبت بڑھا کے رکھی تھی
تو کیوں قریب ہوا، شمع لا کے رکھی تھی

اس نے نوے کی رفتار سے چلتی کار کو یکدم بریک لگانے کی کوشش کی تھی۔ ٹویوٹا کرولا اس افتاد ناگہانی پر احتجاجی طور پر غرائی تھی۔ دور تک گھٹے ہوئے پہیئے بھی چیخ اٹھے تھے۔ آخرکار عین گیٹ کے سامنے وہ جھلاتی ہوئی رک گئی۔ سمارا نے اسکائی بلو کار کا دروازہ کھول کر باہر آنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اندر بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی سے دیر تک انٹرکام بجایا تھا۔ یہ اس کا مخصوص اسٹائل تھا۔ ملازم دوڑے چلے آتے تھے اور داخلی بڑا گیٹ کھلتا چلا جاتا تھا۔ مگر آج اس کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ تب اس کی نظر گیٹ پر پڑے بڑے سے تالے پر پڑی تھی۔

یہ چوڑی سڑک لکھنؤ کے سب سے پوش علاقے راج بھون کالونی کی طرف جاتی تھی اور اس کے سیدھے ہاتھ کی طرف بنی کوٹھیوں میں وہ ساتویں شاندار کوٹھی اس کی اپنی تھی۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے۔ اس کا گیٹ بند اور چوکیدار بھی ندارد! ابھی شام چھ بجے ہی تو وہ گھر سے باہر نکلی تھی۔ امتحان ختم ہونے کے جوش میں سبھی دوستوں نے گیٹ ٹوگیدر کے طور پر شاندار سی پارٹی کا انتظام کیا تھا۔ ریشما کے گھر خیریت سے پہنچنے کی اطلاع ڈیڈی کو دے کر اس نے اپنا سیل آف کر دیا تھا۔ نجانے آج کل ڈیڈی کو کیا ہو گیا تھا کچھ دن سے اسے ایسے ٹریٹ کر رہے تھے جیسے وہ ننھی سی بچی ہو۔ ہر دم نصیحتیں، ہر دم ہدایات۔ زیادہ فاسٹ ڈرائیونگ نہ کرنا، جلدی گھر پہنچنا، تمہارے بغیر میرا دل بالکل نہیں لگتا۔ پھر دوستوں میں دیر تک اس کا ریکارڈ لگتا تھا۔ فیڈر بیبی، رول کال گرل۔ ’تمہاری لاڈلی پاپ کہاں گئی؟‘ یوں مسلسل اپنی پوزیشن آکورڈ ہوتی دیکھ کر اب وہ اس طرح کی محفلوں میں جاتے ہی ڈیڈی سے تمام رابطے منقطع کر دیتی تھی۔

مگر اب دماغ نے سب سے پہلے چھلانگ انہیں کی سمت لگائی تھی۔

اس نے جھپٹ کر ڈیش بورڈ کھولا تھا اور موبائل نکال کر اس کے بٹن پریس کرنے شروع کر دیے تھے۔

”کہاں ہو تم؟ موبائل رکھنے کا فائدہ کیا ہے جب اسے آف کیے رکھتی ہو؟“ ڈیڈی کی فکرمند اور ناراض آواز سنتے ہی ڈھیروں اطمینان اس کے دل میں اتر آیا۔

”میں گھر کے بالکل سامنے موجود ہوں۔ مگر یہاں کوئی موجود کیوں نہیں ہے؟ اتنے سارے سرونٹ (ملازم) سب غائب ہیں اور آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟“ وہ ایک سانس میں اتنے سارے سوال پوچھ گئی۔

”تم پہلے کار کو واپسی کے لیے موڑو۔ اپنا موبائل آن رکھو۔ میں راستہ سمجھاتا جا رہا ہوں۔ فی الحال میں زمان انکل کے گھر ہوں۔“

"آخر کیا ہوا ہے؟ اس وقت تمام ملازموں کو چھٹی دے کر آپ زمان انکل کے گھر کیوں چلے گئے؟" وہ کار کو اس کی مہتاب کالونی روڈ پر موڑتے ہوئے تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑنے لگی۔

"تمہاری ماما کے علاوہ بھی کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ آخری تماشا ہے جو انہوں نے میرے اب کے سامنے لگایا ہے۔ مگر میں بھی کوئی ملائم دل والا نہیں ہوں۔ جس کو یہ لوگ با آسانی مٹھی میں کر رکھتی تھیں۔" فہد غامدی کا لہجہ تند و تیز تھا۔

"آپ کی فہم و فراست سے کسے انکار ہے ڈیڈی؟ ماما یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں۔" کہتے کہتے اس کے ذہن کے اسکرین پر ڈیڈی کا شبیہ ابھر آئی۔ ہینڈسم، وجیہہ، بے حد سمجھدار اور صبر و برداشت سے کام لینے والے۔ ان کے اسی وجہ تحمل نے ہی اب تک ماما کے ساتھ ان کے ازدواجی رشتہ کی گاڑی کھینچ دی تھی۔ ماما شعلہ و شبنم، صحبت کرنے پر آتیں تو مہربانیوں، الفتوں اور شفقتوں کے سمندر لٹا دیتیں۔ ناراضگی اور غصہ ان کے وجود پر کانٹے اگا دیتا تھا۔ حالانکہ خفا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی بات پر ڈیڈی سے ہوتی تھیں لیکن عتاب کا نشانہ ہمیشہ دونوں باپ بیٹی کی ذات بنتی تھی۔ اس عرصے میں وہ مکمل طور پر فراموش کر بیٹھی تھیں کہ سارا ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ جب بھی جھگڑا ہوتا وہ نانو کے گھر جاتیں۔ روٹھی ہوئی سارا کو ڈیڈی کے پاس ہی چھوڑ جاتیں۔ ہلکان ہو کر فون پر انہیں پکارتی مگر وہ اس سے بات تک کرنے کی روادار نہ ہوتیں۔ پھر سارا کے اصرار پر ڈیڈی نانو کے گھر جاتے۔ ان سے طویل مذاکرات کرنے کے بعد، ماما کی ڈھیروں شرائط ماننے کے بعد، وہ انہیں لانے میں کامیاب ہوتے۔ غصہ، ہٹ دھرمی ماما عالیہ صدیقی کی اہم خصوصیات تھیں۔ لکھنؤ کے [illegible] شہر میں نانو کا شمار [illegible]

کے کئی فائیو اسٹار ہوٹل دنیا کے بیشتر ممالک میں تھے۔ نانو کے دست راست، ماموں شکیل صدیقی تھے۔ ویسے ڈیڈی کو اس بزنس کی طرف لانے کا سہرا نانو اور ماموں کے ہی سر بندھتا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ ان کی شراکت میں ہی کام کرتے رہے لیکن اب لکھنؤ شہر میں ان کے کئی ہوٹل تھے۔ اب ان کی حیثیت نانو کے سامنے کمزور نہیں کہی جا سکتی تھی لیکن پہچانے وہ آج بھی نانو کے حوالے سے ہی جاتے تھے۔

"آخر اب ماما نے ایسا کیا کر ڈالا کہ آپ تماشا بن جانے کی بات کر رہے ہیں؟" ڈیڈی کی دی گئی ہدایات کے مطابق حضرت گنج کے علاقے کی طرف کار موڑتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"بس پانچ منٹ میں تم میرے پاس پہنچ رہی ہو۔ آرام سے بیٹھ کر سب سمجھاتا ہوں۔" ڈیڈی نے جب یہ کہتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کیا تو نجانے کیوں اس کے ذہن میں ابان شکیل چلا آیا۔

کیا ان حالات پر اس کا مشورہ مفید اور کارآمد ثابت ہوگا؟ دو سال ہوئے شکیل صدیقی کے اکلوتے بیٹے ابان شکیل سے اس کی منگنی کی تھی۔ اور اسی سال سارا کے جرنلزم کے فائنل امتحان کے بعد شادی طے کی تھی۔ آٹھ سال انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ابان ابھی چند مہینے پہلے ہی لکھنؤ آیا تھا۔ بے پناہ ہینڈسم اور قدرے مغرور سا اپنا منگیتر اب اس کو کچھ کچھ بھانے لگا تھا۔ ورنہ بچپن میں اس کے اسنوبش (تک چڑھا رویہ) انداز سے وہ اکثر چڑ جاتی تھی۔

"ہیلو ابان!" سارا نے آخر کار اس سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ "سخت ٹینشن میں ہوں۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" وہ کار کو زمان انکل کے گھر کے سامنے روکتے ابان شکیل سے مخاطب تھی۔

"جو ہو رہا ہے وہ بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا ڈیئر! گرینڈ پا اور ڈیڈ تو کب سے تمہارے فادر کے خلاف تھے مگر عالیہ آنٹی ہمیشہ آڑے آ جاتی تھیں۔ اب پلیز! تم کوئی پرابلم کریٹ (مسئلہ کھڑا کرنا) نہ کرنا۔ سیدھی اپنی ماما کی طرف چلی آؤ۔ تمہارے ڈیڈی کی تو اب وہ کنڈیشن ہونے والی ہے کہ ساری دنیا سے منہ چھپاتے پھریں گے۔" اس کے انداز میں فہد غامدی کے لیے سخت تمسخر اور طنز تھا۔

وہ ایک لمحہ کے لیے سن سی بیٹھی رہ گئی۔ ڈیڈی کے لیے وہ کیسا انداز اختیار کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت کو کیسے مسخ کر رہا تھا۔ ڈیڈی کے لیے کوئی ایسا لہجہ اپناتا تو وہ اس کا حشر نشر کر دیتی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے ابان کا لہجہ ہضم کیا تھا۔

"آخر قصہ کیا ہے؟"

"ان کی سیکریٹری نادیہ عزیز سے متعلق کوئی قصہ ہے۔ سنا ہے کہ تمہارے ڈیڈی اس کے ساتھ خاصے سیریس ہو گئے ہیں۔" وہ بڑے مزے سے بتا رہا تھا۔

"ناممکن! محض ماما کا الزام ہے ڈیڈ پر۔" وہ تلملا کر بولی تھی۔ "ایسی کہانیاں بنانے میں ماما کو کمال حاصل ہے۔"

"ہونا فہد انکل کی اسپوٹی (چیچی) پوری بات نہیں ہو اور ان کی وکالت میں مصروف ہو جاتی ہو۔ حالات بہت بگڑ گئے ہیں اب مشکل ہی ہے کہ قابو میں آئیں۔ تم ایسا کرو کہ سیدھی نانو کے گھر چلی آؤ۔ زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ابی پریکٹیکل!" وہ خاصے حاکمانہ لہجے میں کہتا ہوا موبائل آف کر گیا تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا تھا؟" وہ خاصی حواس باختہ سی زمان انکل کے گھر داخل ہوئی تھی اور ڈیڈی کے شانے سے جا لگی تھی۔

غزل

کیفی سنبھلی مرادآباد

سیاہ شب سے تعلق جو سب نے توڑ لیا
ہواؤں نے بھی چراغوں سے منھ کو موڑ لیا
جو آسمان کی اونچائیوں سے بغض بڑھا
تو جگنوؤں کو ستارے سمجھ کے توڑ لیا
وہ اور کوئی نہیں تتلیوں کا دشمن ہے
تمام پھولوں کا جس نے عرق نچوڑ لیا
وہ اپنے آپ کو پھر کوہکن ہی کہتا ہے
ذرا پہاڑ کسی نے جو توڑ پھوڑ لیا
جو گڑیا گڈے کی شادی رچائی بچوں نے
کہانیوں نے وہیں سے عجیب موڑ لیا
پھر آشیانوں کا پرسہ دیا پرندوں کو
ہوا نے خوب درختوں کو جب جھنجھوڑ لیا

"ریلیکس مائی ڈیئر!" بظاہر پرسکون نظر آتے ڈیڈی اسے تھپک رہے تھے۔

"یہ درست ہے کہ سارا قصہ نادیہ عزیز سے شروع ہوتا ہے۔ ایک غریب فیملی کی چھ سات بہن بھائیوں کی کفیل یہ لڑکی، بے حد محنتی اور سمجھدار سی ہے۔ کامیابی کے راستے پر وہ خود ہی پہنچ جاتی۔ بس یہ ہوا کہ میری مدد سے اس کی رفتار میں تیزی آ گئی۔ لیکن یہ بات تمہاری ماما کو ہضم نہیں ہوئی۔ وہ... وہ الزام تراشیاں ہوئی ہیں میری ذات پر کہ کبھی کبھی تو ساری دنیا کو فنا کر دینے کو دل چاہنے لگتا تھا۔ اس کی جاب ختم کرا کے، ایک طرح سے اس کا کیریئر اسپوائل کرا کے بھی اس عورت کو یقین نہ آیا۔ میں

نے بس اتنا کیا کہ اس کی بربادی کو اور آسان کر دیا۔ ایک دوسری کمپنی میں سفارش کر کے اسے دوسری جاب دلوادی۔ یہ بات پچھلے دنوں ہی اس کے علم میں آئی ہے اور تب ہی سے وہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑی ہے۔ تمہارے نانو کے گھر جا کر مجھ سے خلع لینے کی بات کی ہے اس نے۔"

"پچھلے دنوں اتنا سب کچھ ہو گیا اور آپ نے مجھے کچھ نہ بتایا۔" وہ ششدر رہ گئی۔

"کیا بتاتا بیٹا!" وہ بے حد تھکے تھکے اور پژمردہ سے تھے۔ "تم بے حد حساس اور جذباتی ہو۔ ہر بات کا بے حد اثر قبول کرتی ہو۔ پھر تمہارے امتحان بھی ہو رہے تھے یونہی ٹینشن میں پیپرس خراب کر دیتیں۔ بس یہی سوچتا رہا کہ شاید معاملات وقت کے ساتھ بہتر ہو جائیں۔ اور یہ کم عقل عورت حقیقت کو سمجھ جائے۔ دو دن پہلے تمہاری مام کا آخری وارننگ والا فون آیا تھا کہ میں تادیبہ عزیز کو خود کسی بھی الزام میں پھنسا کر جیل بھجوا دوں۔ اس طرح اس کی ملازمت خود بخود ختم ہو جائے گی ادھر وہ مجھ سے متنفر بھی ہو جائے گی اور اس کی بربادی پر پکی مہر بھی لگ جائے گی مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ میں کیوں ایک بے گناہ خاندان کی تباہی کا ذمہ دار بنوں؟ مجھے اس دنیا میں ہی نہیں رہنا، دوسری دنیا میں اللہ کے سامنے بھی جواب دہ ہونا ہے۔ مگر یہ سچائی تمہاری ماں کسی طرح قبول کرنے کو تیار ہی نہیں تھی کہ وہ لڑکی کسی طور میرے ذہن میں نہیں۔ صرف ایک انسان ہونے کے ناطے میں نے اس کی ہمت افزائی کی تھی بس!"

کہتے کہتے وہ یکدم چپ ہو گئے یوں جیسے اب کہنے کو کچھ باقی نہ ہو۔

"یہ تو واقعی کچھ ایکسٹرا ہو گیا ڈیڈی! مگر اچانک کیا ہو گیا جس کی وجہ سے آپ گھر چھوڑ کر یہاں ہمارے گھر آ گئے؟" وہ بے حد پریشان ساتھ گھر پہنچ رہے تھے، دھمکی دے کر کاغذات پر دستخط کرانے۔ میرے بھی چند ہیں، جنہوں نے مجھے کچھ گھنٹوں پہلے مطلع الحال میں کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں لیے گھر ہی چھوڑ دیا۔"

"اب کیا ہو گا ڈیڈی۔" وہ سچ مچ بے حد

"انشاء اللہ! سب ٹھیک ہی ہو گا۔ تم کرو۔ تمہارے نانو بے شک زبردست ہوں گے، اسٹرونگ شخصیت کے مالک ہوں چوڑیاں بہرحال میں نے بھی نہیں پہن غامدی خاندان سے ہوں میں۔ یوں آسانی ان کے قابو میں نہیں آؤں گا۔ ساری زندگی ساتھ کمپرومائز کرتے گذر گئی۔ اب اگر مقابلے پر آؤں گا تو انہیں بھی پسینے آ جائیں بس فکر ہے تو تمہاری۔ اس سارے قصے میں بعد، تمہاری ذات متاثر ہو گی۔ ننھیال والوں تمہاری محبت اور پھر ابان سے تمہاری معاملے کو آر یا پار کروں گا تو تم بھی پینڈولم بن گی۔ تو بیٹا جی فیصلہ کر لو۔"

انکا اتنا صاف صاف انداز اور حتمی لہجہ سے لے کر نیچے تک لرز اٹھا۔ یہ زندگی کس رو لے آئی تھی؟ چاروں طرف کانٹوں کا جنگل تھا لہولہان کرنے کو بے تاب۔ وہ کدھر کا رخ کرے کس کا ساتھ دے۔ وہ دیر تک تذبذب میں فہد غامدی کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"آہ مام! اپنے ساتھ ساتھ تم مجھے بھی دہانے پر لے آئی ہو۔" وہ پریشانیوں کے میں پہلی بار داخل ہو رہی تھی۔

☆☆☆

یاد کی ریت سے پلکوں میں جلن ہوتی ہے
میری آنکھوں میں سمندر کو اتر جانے دے

مام نے ہمیشہ کی طرح موبائل آف کر رکھا تھا۔ تھک کر اس نے ایک بار پھر ابان کو فون ملایا تھا۔ ڈیڈی نے فیصلہ کرنے کے لیے صرف دو گھنٹے دیے تھے۔

"ہم سب کے درمیان کومپرومائز کی کوئی صورت بھی ہے کیا؟" وہ سیدھی مطلب کی طرف آئی تھی۔ لہجہ از حد متفکر اور سنجیدہ تھا۔

"صرف یہ کہ تم اپنے ڈیڈی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو اور انہیں بھول جاؤ۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

فوری طور پر وہ ایک لفظ نہ بول پائی۔ کیسا ظالم بندا بنا ہوا تھا وہ۔

"کیا یہ اتنا ہی آسان ہے؟ اور کیا وہ لڑکی تمہاری نظروں میں قابل اعتماد ہو گی جو لمحوں میں ایک نیا رشتہ قائم کرنے کے لیے اتنے پرانے رشتے کو کاٹ ڈالے۔ میں ایسا کر کے خود سے بھی نظریں ملانے کے لائق نہیں رہوں گی۔ کیا تم مام اور ڈیڈ کو یکجا کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟" اس نے آخری بار آس بھرے انداز میں پوچھا تھا۔

"سوری! میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ دیکھو تم ان کے بارے میں مت سوچو۔ میں ہوں اور تمہاری مام ہیں۔ تم دیکھنا ہم کتنی شاندار لائف (زندگی) گذاریں گے۔ سب کچھ بھول کر ہمارے پاس چلی آؤ بس۔"

پھر فیصلہ لمحوں میں ہوا تھا۔ وہ ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی جو اس کا دل رکھنے کے لیے تھوڑی سی بھی کوشش کا وعدہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بھلا کیا ساتھ نبھائے گا، کیا اس کے دل کی سنے گا جو اس کی پہلی ہی التجا کو اس سنگدلی سے رد کر گیا تھا۔ پھر دو گھنٹے سے پہلے ہی اس نے اپنے فیصلے سے ڈیڈی کو آگاہ کر دیا تھا۔

"ان دو سوٹ کیسوں میں تمہارا سارا سامان پیک ہے۔ میں گھر سے نکلتے ہوئے جس قدر ممکن ہو سکا اپنا اور تمہارا سامان لے آیا ہوں۔ تمہارے سرٹیفکٹ (اسناد) جیولری (زیورات) وغیرہ۔ میں نے اچھی طرح غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری ماں سے علیحدگی حاصل کرنے کے دوران تمہارا یہاں رہنا درست نہیں ہے۔"

صبح ڈیڈی شاید فجر کی نماز سے فارغ ہو کر

غزل

شاہین اقبال۔ ممبئی

شک کی برسات اگر یوں ہی مسلسل ہو گی
یہ غلط فہمی کسی طرح نہیں حل ہو گی

باحیا لڑکی کی خاموشی ہے ان پھولوں میں
یہ ہوا بھی کسی دوشیزہ کا آنچل ہو گی

وقت کی اپنی کوئی خوشبو کہاں ہوتی ہے
رات سلگے گی بدن پر تبھی صندل ہو گی

عطر کی شیشی لیے چاند قریب آیا تھا
کیا مجھے علم تھا وہ زہر کی بوتل ہو گی؟؟

ریگزاروں کی طرح ہے مری پلکوں پہ بچھی
زندگی تیرے لیے خواب کل مخمل ہو گی

مل چکا سب سے گلے پھر بھی ادھورا سا ہوں
تم ملو گے تو مری عید مکمل ہو گی

دل کے سناٹے پر اب آنے ہی والا ہے زوال
اس کھنڈر میں کوئی یکبارگی ہلچل ہو گی

سیدھے اپنے کمرے میں چلے آئے تھے۔ اسے خودرات ٹھیک طور پر نیند نہیں آئی تھی۔ عجب سی بے کلی اور گھبراہٹ تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل جاتی اور دل اب کیا ہونے والا ہے کی گردان تیز تیز دھڑک کر شروع کر دیتا۔

"بس جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ زمان انکل کے ساتھ ایئر پورٹ چلی جاؤ۔ میں کچھ دوسرے ضروری کاموں میں مصروف ہوں۔" وہ اسے اٹیچڈ باتھ سے نکلتا دیکھ کر جلدی جلدی احکامات دینے لگے۔

"کیا ضروری ہے میرا یہاں سے جانا۔" وہ ست روی سے کمرے میں ٹھہری گئی۔

"جلدی بیٹا نو بجے جیسے ہی آفس کھلیں گے تمہارے ٹکٹ اور ویزے کا پروسس مکمل ہو جائے گا۔ تب تک تم ناشتہ کرلو۔" وہ عجلت میں ہی تھے، بغیر جواب دیے تیزی سے باہر نکل گئے۔

پھر جب زمان انکل کے ساتھ ان کی کار میں اس کا سامان بھی رکھ دیا گیا تو وہ متوحش سی ہو کر پوچھ رہی تھی۔ "آخر کیوں اپنے سے دور کر رہے ہیں مجھے؟"

"اس میں تمہارا پاسپورٹ، ٹکٹ اور جیولری ہے۔ اب تمہارا یہاں رہنا میری نظر میں مناسب نہیں۔ کوئی مجھے کسی طرح سے بھی مجبور یا پریشرائز نہیں کر سکتا۔ تمہاری ماں کے سامنے جھکنے کے لیے۔ مگر اگر تم یہاں رہیں اور تمہیں کسی طرح کی زک پہنچائی گئی تو میں بالکل بے بس ہو جاؤں گا۔" ڈیڈی کا لہجہ بھی ساتھا۔ جانتے تھے کہ وہ ضدی ہے اگر انکار کر گئی تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

"مگر کہاں؟" وہ کار میں بیٹھنے کو اب بھی تیار نہ ہوئی۔

"جدہ! اپنے دادا، دادی کے پاس۔ وہاں تم رہو گی تو مجھے تمہاری طرف سے اطمینان بھی رہے گا اور ان لوگوں کی شاطر چالوں سے بھی محفوظ رہو گی۔

یہ ذہن میں رکھنا بیٹا جی! کہ اب تمہارے ... پاس صرف تم ہی ہو۔ اور میں تمہیں کسی ... نہیں چاہتا۔ چلو اب کار میں بیٹھو اور اپنے ... بھروسہ کرو۔ کیا وہ کبھی تمہارے بارے میں ... فیصلہ کر سکتے ہیں؟" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر... ہوئے پچھلی نشست پر بٹھا چکے تھے۔ وہ ... انہیں کھڑکی سے منہ نکالے جھانک کر دیکھ ... کار تیزی سے سڑک پر رواں دواں تھی اتنی تیزی ... ہی، ڈیڈی کی پچھلی زندگی کی کتاب کے اوراق ... کے سامنے کھلتے جا رہے تھے۔

ڈیڈی کی اس کے لیے والہانہ محبت، ان ... دیوانگی۔ اس کی ذرا سی تکلیف پر دیوانہ وار ... سارے کام چھوڑے پھرنا۔ مام انکی اس وجہ ... سے اکثر چڑ جاتی تھیں۔

"اتنا اولاد کے لیے پاگل باپ ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر فہد کے بس میں ہو تو سارا ... دن بس بیٹے سے لگائے بیٹھے رہیں۔ مجھ پر ... پر، گھر کے کسی ملازم پر انہیں اس کے سلسلے میں ... ہی نہیں ہے۔ کبھی کبھی تو میں فیڈ اپ ہو جاتی ہوں ... میری بچی کو ہیمپر ڈ کر رہے ہیں۔" مام کا ... تنقیدی لہجہ وہ اکثر اپنے دوستوں اور عزیزوں ... یہ سب کہتی نظر آتی تھیں۔

اس کے ڈیڈی فہد غامدی ایک معزز ... خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے ... والدین سے دور، سعودی عرب سے دور، آسٹریلیا ... گئے اور وہاں عالیہ صدیقی سے کیا ملاقات ہوئی ... اس کی محبتوں کی شدتوں کے ایسے اسیر ہوئے ... دونوں طرف کی مخالفت کے باوجود شادی کر لی ... وہاں سے لکھنؤ واپسی اس وقت ہوئی تھی جب ... فلک دو سال کی تھی۔ عالیہ صدیقی غامدی خاندان ... کے شدید اصرار کے باوجود بھی جدہ میں رہائش ...

اختیار کر لینے پر راضی نہیں ہوئیں۔ ان کے والدین اور بھائی نے فہد غامدی کو نہ صرف لکھنؤ شہر میں بسایا بلکہ بزنس کی دنیا میں بھی انہیں متعارف کرایا۔ ڈیڈی کے ساتھ وہ اکثر جدہ کا سفر کرتی تھی۔ یوں وہ غامدی خاندان کے بچے بچے سے واقف بھی تھی مگر ان لوگوں سے دلی انسیت اس نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ مام بہت کم وہاں گئی تھیں اور انہیں سمارا کا ان لوگوں سے ملنا ملانا بھی ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اکثر واپسی پر وہ مام کو حبابہ (دادی) کے دیے ہوئے قیمتی تحائف دکھاتی تو ناک چڑھا کر ضرور کہتیں۔

"کیا دقیانوسی تحمیکلی ہے؟ تم اتنے دن کیسے رہ لیتی ہو وہاں۔ زبان تک تو وہ عربی بولتے ہیں اور تمہیں تو عربی کی الف ب بھی نہیں معلوم۔"

"حبابہ کا تعلق تو لکھنؤ ہی سے تھا اسی لیے وہ بہترین اردو بولتی ہیں باقی سبھی لوگ مجھ سے انگلش میں بات کرتے ہیں۔ مام، وہاں سبھی لوگ مجھے بتا رہے تھے کہ ڈیڈی بھی انڈیا میں پیدا ہوئے تھے جب کہ باقی سبھی فیملی ممبرس کی وہیں جدہ میں پیدائش ہوئی۔ ایسا کیوں کر ہوا؟"

"تمہارے بڑے تایا احمد غامدی اور فہد میں عمر کا فرق بہت کم ہے۔ تمہاری حبابہ (دادی کو عربی میں کہتے ہیں) فہد کی پیدائش سے پہلے شدید بیمار ہو گئی تھیں اسی لیے جب وہ والدین سے ملنے انڈیا آئیں تو انہیں یہیں رک جانا پڑا۔ پھر فہد یہیں پیدا ہوئے لکھنؤ میں اور انڈین شہری بنے۔ اس کے بعد بھی کئی سال انہوں نے یہیں نانا نانی کے پاس گزارے کیونکہ تمہارے چچا محمد غامدی اور تمہاری پھوپھو خدیجہ جڑواں پیدا ہو گئے تھے۔ ان دنوں تمہاری حبابہ اتنے چھوٹے بچوں میں گھر کر رہ گئی تھیں۔"

"پھر ڈیڈی جدہ کب گئے؟" وہ اشتیاق سے پوچھا کرتی۔

"شاید تب، جب وہ بارہ تیرہ سال کے تھے نانی اور نانا کے انتقال کے بعد۔ پھر وہ مزید تعلیم کے لیے آسٹریلیا چلے گئے یوں انہیں سعودی شہریت مل ہی نہیں پائی۔ اب ان کے تمام بہن بھائی سعودی ہیں صرف تمہارے ڈیڈی انڈین ہیں۔"

زندگی پرسکون ندی کے مانند تو کبھی نہ رہی تھی۔

سوچ کا روشن در

☆ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نظام قدرت اور نظام فطرت کی ہر شے کو دو رخ دیے ہیں اسی طرح تقدیر کے بھی دو رخ ہیں۔ کچھ لوگوں پر ان کی تقدیر مسکراتے ہوئے ہاتھ بھر بھر کر لٹاتی ہے، اتنا کہ وہ بار کر سیراب ہو چکنے کے بعد اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرنے لگتے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کو بے حد گڑگڑانے پر بھی ان کی تقدیر چٹکیوں سے پکڑ کر دیتی ہے اس کے باوجود احساس تشکر سے اللہ کے حضور سر بسجود ہو جاتے ہیں۔

☆ صبر اور شکر کی خو انسان کو زندگی کی مشکلات اور تکلیفوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

☆ دنیا کی تھکن اتارنے کا سب سے موثر ذریعہ ذکر ربی یعنی اللہ کی عبادت ہے۔

☆ اللہ کو دنیا میں کسی مخصوص جگہ پر ڈھونڈنے کی بجائے اپنی ذات اپنی روح میں تلاش کیجیے مایوسی نہیں ہوگی۔

☆ صابر اور شاکر انسان دنیا کی بجائے آخرت کے اجر پر نظر رکھتا ہے۔

☆ جس طرح ہم ریت جنگل (صحرا) کو دور سے پانی سمجھتے ہیں لیکن وہ پانی نہیں ہوتا اسی طرح ہم...... کچھ لوگوں کو اپنا سمجھتے ہیں لیکن قریب جانے پر کھلتا ہے وہ ہمارے نہیں ہیں۔

☆ کچھ لوگ لازوال خوشبو کی طرح ہوتے ہیں۔ جن کی یادیں، سوچیں ہمارے وجود کو اس طرح مہکائے رکھتی ہیں کہ وہ ہر لمحہ اپنے آس پاس محسوس ہوتے ہیں۔

رضوانہ امیر، پہلی بھیت

مام کی ہٹ دھرمی، ان کی سب پر چھا جانے والی فطرت نے ہر دم اس ندی میں ارتعاش پیدا کیا تھا اور اب تو مانو ساری دنیا بھر کی دھول، مٹی، ریت سب ڈال کر اسے بند ہی کیا جا رہا تھا۔ سارا فلک نے اچانک اپنا سانس گھٹتا سا محسوس کیا۔

"آخر ڈیڈی تنہا کیوں کرنانو، ماموں اور مام کا مقابلہ کر پائیں گے؟"

کار لکھنؤ ایئرپورٹ پر رک گئی۔ اس نے بیزار نظروں سے تھکے ہارے درختوں کو دیکھا۔ سر جھکائے اکتائے پھولوں کو دیکھا اور خیالات کے سلسلے کو خیر باد کہتی نیچے اتر آئی۔

"کسی سے اس وقت تک رابطہ نہ کرنا، جب تک ہوائی جہاز جدہ کی سمت پرواز نہ کر جائے۔" ڈیڈی موبائل پر آخری تاکید کر رہے تھے۔ یقیناً وہ یہ سفر سب سے مخفی رکھنا چاہ رہے تھے۔

☆☆☆

رشتوں کی ہمیں اتنی پہچان نہ تھی پہلے
کہنے کو مرا اسم تو اپنے تھے بہت گہرے

کنگ عبدالعزیز جدہ ایئرپورٹ کی تمام ضروری کاروائیوں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے جیسے ہی قدم باہر نکالا تو اس کی متلاشی نظروں نے فوراً ہی پھوپھی کے بیٹے ضرار کو ڈھونڈ لیا تھا۔

"آپ اکیلے ہی آئے ہیں؟" اخویا ضرار (بھائی ضرار) نے جیسے ہی اس کی ٹرالی پکڑی، وہ ان کے اطراف مزید رشتے داروں کو تلاش کرنے لگی۔

"اتنے شارٹ نوٹس پر صرف میں ہی دستیاب ہو سکا۔ ابھی کچھ گھنٹے پہلے ہی تو عموفہد (فہد چچا) کا فون آیا تھا۔"

جب آپ کے بال کنگھے کے ساتھ گرنے لگیں تو...

آپ مایوس نہ ہوں

ایسی حالت میں نسرینا ہیر ٹانک کا استعمال شروع کر دیں۔ یہ بالوں کو وقت سے پہلے سفید ہونے اور گرنے سے روکتا ہے۔

نسرینا بالوں کو لمبا، گھنا، سیاہ اور چمکدار بناتا ہے سر کی خشکی دور کرتا اور گہری و پُرسکون نیند لاتا ہے نسرینا سر درد کو آرام دیتا اور دماغی تھکاوٹ دور کرتا ہے

نسرینا
ہیر ٹانک
آپ کے بالوں کا محافظ

شکاما
بال دھونے کا پاؤڈر
بالوں کی صحت کے لیے

نیورائل پروڈکٹس
21/2، لین نمبر 7، فرینڈس کالونی انڈسٹریل ایریا، جی۔ ٹی۔ روڈ، شاہدرہ، دہلی۔ 95 فون: 011-55354669

"شمیلہ، کاملہ اور حنان کہاں ہیں؟" وہ ضرار کے پیچھے پیچھے، شیشے کے دروازوں کو کھولتی ایئرپورٹ سے باہر نکل آئی۔

"تینوں اپنی اپنی یونیورسٹی گئی ہیں۔ انہیں تو تمہارے آنے کی اطلاع بھی نہیں ہے۔ تم زرا یہاں ٹھہرو، میں کار پارکنگ ایریا سے نکال لاؤں۔" اخویا (بھائی) اسے وہیں چھوڑ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

اس نے اب ایک طائرانہ نظر اطراف کے ماحول پر یونہی ڈالی تھی۔ نوجوان، بوڑھے سبھی سفید توپ (سعودی لباس) اور سفید اور لال چیک والے غترہ (تکونہ سر پر ڈالنے والا کپڑا) پہنے ہوئے تھے۔ عورتیں نیچے سے اوپر تک کالے عبایہ میں چھپی ہوئی تھیں۔ بیشتر نے چہرے پر نقاب لے رکھی تھی لیکن کچھ کم عمر لڑکیوں کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ اس نے وہاں موجود ہر فرد کی سکڑی ہوئی اور تنقیدی نظریں اپنے وجود پر گڑی محسوس کیں۔ اچانک ہی ٹائٹ جینس اور چھوٹی سی اوپری شرٹ اسے شرمندہ سی کرتی محسوس ہونے لگی۔ عبایہ تو اس نے کبھی نہ پہنا تھا، ہاں ڈیڈی ایک بڑی سی چادر کا اہتمام اس کے لیے ضرور کیا کرتے تھے مگر اب جلدی جلدی میں وہ بھی ذہن سے نکل گئی تھی۔ تبھی اخویا ضرار نے کار اس کے نزدیک روکی، وہ جلدی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی۔

"جدی (دادا کو کہتے ہیں) اور حبابہ (دادی) تو گھر پر منتظر ہی ہونگے۔"

"بالکل! بزرگ خواتین بڑی بے چینی سے تمہاری منتظر ہیں۔" وہ انگلش میں بتا رہے تھے۔ بچپن میں اپنی مادری زبان کو سکھانے کی ڈیڈی نے کافی کوشش کی تھی مگر مام سخت متنفر تھیں ادھر اس نے بھی کچھ خاص توجہ نہ دی تھی۔ اب بھی کونسا مستقل قیام کا مرحلہ ہے۔ کچھ دن گذر ہی جائیں گے۔ اس

غزل

نصیر سحافی

تار تار ہے کتنا زندگی کا پیراہن
آدمی نے نوچا ہے آدمی کا پیراہن
اہلِ زر نے لوٹا ہے جانے کس طرح یارو!
ہر بدن پہ پاتا ہوں مفلس کا پیراہن
آفت و مصائب پر کس سے چاہیں ہمدردی
اپنے لوگ پہنے ہیں اجنبی کا پیراہن
رہروانِ منزل کا اب تو بس خدا حافظ
رہزنوں نے پہنا ہے رہبری کا پیراہن
چھین لو ستم کو شو ہو سکے اگر تم سے
ناگوار خاطر ہے زندگی کا پیراہن
اُف کرشمۂ دوراں تف! اُترقی انساں
کس قدر ہے بوسیدہ اس صدی کا پیراہن
سادگی پسندی ہی فکر کی بلندی ہے
اے نصیر اپنا لے سادگی کا پیراہن

نے دل کو تسلی دیتے ہوئے کھڑکی کے باہر دیکھا۔

سورج اب اپنے پروں کو سمیٹ کر کسی اور دنیا میں اڑ کر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ دھوپ کے سنہری پن میں اب سرخی در آئی تھی۔ اگست کا مہینہ تھا لیکن تمام ماحول اب بھی گرم توے کی طرح دہک رہا تھا۔ فضائیں جل رہی تھیں۔ لیکن کشادہ سڑکوں پر کاروں کا ہجوم ہمیشہ کی طرح تھا۔ کہیں کوئی آواز، کوئی شور شرابا، دھواں یا بے ترتیبی نہ تھی۔ جہاں کہیں بھی سڑکوں کو قطع کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ وہاں آدمی کے قد کے برابر بڑی خوبصورت وضع قطع کے درخت لگے تھے۔ سڑک کے کناروں پر کھجور کے

درختوں کی قطاریں چل رہی تھیں۔ نیچے سے گھیر دار موٹا تنا جو اوپر بلندیوں کی طرف جاتے ہوئے قدرے پتلا ہو جاتا تھا پھر چھتری نما اس کی ٹہنیاں اور سال میں دو بار کھجوروں کے گچھے اس چھتری کے نیچے لٹکتے تھے۔ ضرار غامدی نے بڑی مہارت سے کار چلاتے ہوئے اسے کورنیش (سمندر کا کنارہ) کی طرف موڑ لیا تھا۔ یہ جدہ کا سب سے پوش علاقہ الحمرہ تھا جہاں صرف متمول اور بااثر سعودی ہی ولا اور محل بنا سکتے تھے۔ اس نے بے ساختہ کار کا اے سی بند کر دیا اور کھڑکی کھول دی۔ سمندری نمکین ہواؤں نے نہایت نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ چاہے پورے جدہ کا موسم شدید ترین گرم رہتا ہو لیکن یہ علاقہ سمندر کے نزدیک ہونے کی وجہ سے ٹھنڈا اور یکساں ماحول کا رہتا تھا۔ اکثر بادل اللہ کی رحمتوں کی طرح آسمان پر سایہ فگن رہتے اور کبھی کبھی زیادہ جوش میں آتے تو برس بھی جاتے۔

"یہ ینگ پارٹی کب تک واپس آجائے گی؟" جب سڑک کے دائیں جانب مختلف ولا اور دو منزلہ عمارتیں نظر آنے لگیں تو اس نے پوچھا۔

"چھ بجتے ہی سب تمہارے اردگرد ہوں گے۔ سوائے آساد کے۔ وہ کسی میٹنگ کے سلسلے میں قطر گیا ہے۔" انہوں نے کار کی رفتار کو قدرے کم کیا تھا۔

"وہ تو کبھی ملتا ہی نہیں۔ شاید بچپن میں کبھی دیکھا ہو۔ جب بھی میں اور ڈیڈی چھٹیاں گذارنے یہاں آتے تھے وہ ہمیشہ نیوزی لینڈ ہی میں ہوتا تھا۔" سمارا کو فوراً ہی یہ بات یاد آئی تھی۔

وہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی وہاں پڑھنے چلا گیا تھا۔ اس کی چھٹیاں ہر سال دسمبر میں ہوتی ہیں تبھی وہ یہاں آتا تھا۔ پوسٹ گریجویشن کے بعد مختلف مینجمنٹ کے کورس کرنے میں لگا تھا۔ زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی دیوانگی ہے اس کو۔ ابھی بھی واشنگٹن مزید کورس میں ایڈمیشن لے کر جانے کے چکر میں تھا مگر جدی (دادا) نے سعودی [illegible] میں انٹرویو کیلئے بھیج دیا۔ جب منتخب ہو گیا تو [illegible] جدہ میں رک جانا پڑا۔ بینک میں بڑی [illegible] پوسٹ ہے اس کی۔"

ضرار غامدی نے بڑے سے آہنی گیٹ [illegible] سامنے کار روک لی۔ دیوار میں لگا انٹر کام [illegible] حارث (چوکیدار) نے کچھ سوال جواب [illegible] ہوئے گیٹ کھول ڈالا۔ کار تیزی سے اندر [illegible] گئی تھی۔

بڑے سے لان سے گھری یہ دو منزلہ عمارت [illegible] کے جدی عبدالرحمٰن غامدی کی ملکیت تھی۔ [illegible] سبھی نے اپنی اپنی جائیداد میں حصہ لے کر [illegible] رہائشی ولا بنا لیے تھے۔ پہلی بار اس نے ڈیڈی [illegible] بغیر یہاں قدم رکھا تھا۔ بھلا وہ انہیں اکیلا کیوں [illegible] آئی تھی۔ اسے تو ہر حال میں ان کے ساتھ [illegible] چاہیے تھا۔ ایک عجیب سی بیزارگی اور وحشت [illegible] کے وجود میں اتر آئی۔ سجا سجایا یہ نفیس سالان [illegible] اسے اجنبی اور گھورتا ہوا سا محسوس ہوا۔ احاطے [illegible] ساتھ ساتھ لگے روتانہ کھجور کے درخت بھی [illegible] افسردہ اور مایوس سے نظر آئے۔ اسے یاد آیا کہ [illegible] ایک بار وہ خاص طور پر انکی چھوٹی چھوٹی [illegible] کھجوریں کھانے اکتوبر کے مہینے میں آئی [illegible] عمارت کے دونوں طرف لگے مخملی پتوں والے [illegible] کے درختوں کو بھی اس نے خاصی جھنجلاہٹ [illegible] نظروں سے دیکھا۔

"چلو رک کیوں گئیں۔" اخویا ضرار کار پارک [illegible] کے سامان سوڈانی حارث (چوکیدار) کے حوالے [illegible] کے اس کے نزدیک چلے آئے۔ وہ سر جھٹک [illegible] تکلیف دہ سوچوں کو اپنے وجود کے اندر، بہت [illegible] تک دھکیلنے لگی۔ دھواں دھواں ہو رہے چہرے [illegible]

قدرے نیچے جھکایا تھا اور ان کے آگے آگے تیزی سے چل دی تھی۔ تبھی اندرونی رہائشی عمارت کا بڑا دروازہ کھلا اور باہر نکلتے اس شخص سے سمارا کی ٹکر بہت زوردار ہوئی تھی۔ دماغ چکرا سا گیا۔ لگا جیسے وہ کسی آئرن مین سے ٹکرا گئی ہو، یا کسی سخت پتھریلی چٹان سے اس کا واسطہ پڑا ہو۔ باہر کی تیز روشنی سے یکدم اندر آجانے کے سبب کچھ نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ ادھر وہ دونوں ہاتھوں میں اسے تھامے بار بار عربی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر حبابہ (دادی) کی نرم اور شفیق آواز سنائی دی تھی۔

"میں اسے سنبھال لوں گی آساد! تم اپنے جدی (دادا) کو اطلاع دو۔" وہ شاید تیزی سے ہی اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ اسے دیکھ ہی نہ پائی۔

حبابہ نے اسے دائیں طرف بچھی نشستوں پر بٹھا دیا۔ جدی وہیں آکر اس سے ملے تھے۔ اس کی پیشانی پر شفقت بھرا بوسہ ثبت کرنے کے بعد ڈیڈی کا حال دریافت کرنے لگے۔ حبابہ کی فلسطینی خادمہ مختلف مشروبات لے آئی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح حبابہ کے ہاتھ کا بنا شہد کا شربت پینا پسند کیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ تمام حالات سے جدی اور حبابہ کو واقف بھی کراتی جا رہی تھی۔ دونوں گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس نے یونہی ایک نظر اپنے چاروں طرف ڈالی۔ یہ پورا فلور ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کے سامنے والا کیبن نما حصہ کچن کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس پورے حصے کو دو طرح کی سیٹنگ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ ایک حصہ مغربی انداز میں لکڑی کی بیش قیمت اور دیدہ زیب صوفوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور دوسری طرف سعودی انداز کی بیٹھک، جس میں کمرے کے چاروں طرف موٹی موٹی نشستیں بچھائی گئی تھیں۔

داخلی دروازے کے دائیں جانب ایک کمرہ پردہ دار خواتین کے لیے مخصوص کیا گیا تھا جب کہ کچن سے ملحق سیڑھیاں اوپری فلور کی طرف جا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ اوپر جدی اور حبابہ کا ماسٹر بیڈ روم تھا۔

"ایک نیک صفت اور سمجھدار عورت پورے خاندان کے لیے نعمت ہوتی ہے جب کہ ایک بد زبان غصہ ور اور خود کو عقلِ کل سمجھنے والی بیوقوف عورت پورے خاندان کو تباہی کے دہانے پر لے آتی ہے۔ میں نے پہلے ہی دن اس عورت کو ناپسند قرار دے دیا تھا مگر تمہارے باپ کو اس کے علاوہ کسی اور کا نام ہی

غزل

خان عتیق آفریدی، رام پور

کبھی خلعت کبھی کلاہ سے جنگ
اپنی فطرت ہے بادشاہ سے جنگ

لڑ رہی ہے ضمیر کی آواز
بے حسی سے کبھی گناہ سے جنگ

اس نے حالات کر دیے ایسے
عین ممکن ہے خیر خواہ سے جنگ

حوصلہ یہ بھی اپنا ہے ورنہ
کون کرتا ہے اہلِ جاہ سے جنگ

دلنشیں، دلربا سحر کے لیے
میں نے کی ہے شبِ سیاہ سے جنگ

لڑتے ہیں میرِ کارواں کے خلاف
ہم نہیں کرتے گردِ راہ سے جنگ

چاہیے زورِ بازوئے حیدرؓ
فتح کرنی ہے سربراہ سے جنگ

تجھ کو اک دن عتیق پائے گا
لڑتے لڑتے تری نگاہ سے جنگ

سننا پسند نہیں تھا۔ دیکھو آخر کار ہو گیا نا تماشا۔'' وہ کافی دیر بڑبڑاتے رہے اور خفا رہے۔

''تم فکر نہ عزیزتی (میری پیاری)۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''تمہارا باپ تنہا نہیں ہے۔ اللہ ہے اس کے ساتھ۔'' وہ اوپر آسمان پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بولے۔ اور مغرب کی نماز کے لیے اٹھ گئے۔ شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ سبھی ایک کے بعد ایک اس سے ملنے کے لیے آنے لگے۔

''اُمی (تائی)، عمتی خدیجہ (پھوپھو) زوجتِ عمتی (چچی)۔ بڑا پرتپاک سا استقبال کیا تھا سب نے۔ اور اسے لپٹا لپٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

ابویا احمدی غامدی (تایا) دیر تک مختلف سوالات اس سے پوچھتے رہے۔ عمو محمد غامدی (چچا) بھی فوراً ہی چلے آئے تھے۔ دیر تک موجودہ حالات پر تبصرہ چلتا رہا تھا۔ تقریباً ہر کسی نے اسے تسلی دلاسہ ہی دیا تھا۔ یوں وقتی طور پر تھوڑا سکون و اطمینان اس کے اندر اتر گیا۔ ڈیڈی بہر حال تنہا نہیں تھے، بہت سے ان کے اپنے ان کے ساتھ تھے۔ بعدِ نمازِ نوجوان نسل نے دھاوا بولا تھا لیکن اب سب میں آساد شامل نہ تھا۔ رات جب ڈنر کے لیے سب لمبی سی ڈائننگ ٹیبل کے اطراف بیٹھے اور تمام خاندان کے بیچ وہ پھر سے موجود نظر نہ آیا تو وہ بے ساختہ ہی اُمی سے پوچھ بیٹھی۔

''آساد نظر نہیں آ رہا؟ حبابہ تو بتا رہی تھیں کہ وہ قطر سے شام ہی واپس آ گیا۔''

''اخویا آساد کا داخلہ اس گھر میں ممنوع قرار دے دیا گیا ہے؟'' حنان شرارتی انداز میں کہتی دھیمے سے ہنسی۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''جدی کا حکم!'' کاملہ کا چہرہ بھی چمکنے لگا۔

''کچھ زیادہ نہیں بول رہی تم دونوں۔'' مصنوعی انداز میں ان دونوں کو گھورتی ہوئی آنکھوں ہی آنکھوں میں نجانے کیا سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

''خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہیں یہ لوگ۔ بینک میں مصروف ہے۔'' اس نے الجھی نظر سے شمیلہ، کاملہ اور حنان کو دیکھا۔

''عزیزتی! (مائی ڈیئر)'' جدی اسے پکارتے تھے۔ ''تمہارے پاس اپنے باپ کا موبائل نمبر ہوگا۔ ذرا دینا تو۔''

''ہاں میں دیتی ہوں جدی۔ ابویا سب ٹھیک جائے گا نا۔ حالات زیادہ بگڑیں گے تو نہیں۔'' اچاٹ دل اور متوحش چہرے کے ساتھ اٹھ کر چلی آئی۔

''اللہ مالک ہے۔'' جدی اسے ڈھیروں دلاسے دے رہے تھے۔

☆☆☆

لہو بن کر جگر بہنے کو اب تیار بیٹھا ہے
یہی باقی رہا تھا اک دل کے غمگساروں میں

اس نے اوپری فلور سے نیچے قدم رکھا تو نیچے سب کو سر جوڑے بیٹھے دیکھا۔ جدی عبدالرحمٰن غامدی اپنے دونوں بیٹوں اور داماد کے ساتھ مشورہ کرتے نظر آ رہے تھے۔

''آپ لوگ کیا ساری رات نہیں سوئے؟'' درمیانی سیڑھی پر رک کر انگلش میں کہہ رہی تھی۔

''ایسا بھی نہیں ہے بیٹا! ویسے مسئلوں کے حل باہم مل جل کر ہی نکالے جاتے ہیں۔ وہاں نہد پریشان ہے کیا ہم لوگ یہاں سو سکتے ہیں۔'' ابویا (تایا) احمدی غامدی نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ ''تمہارے ڈیڈی سے تفصیلاً گفتگو ہو گئی ہے اور ہم سب نے مل جل کر ایک طریقہ کار بھی ڈھونڈ نکالا ہے۔ انشاء اللہ اب سب ٹھیک ہو جائے

گا۔ تم ذرا بھی فکر مند نہ ہونا۔''

عمو محمد غامدی بھی اس کے نزدیک چلے آئے تھے اور اسے تسلی دلاسہ دینے لگے۔ تمام رات کی بے چین نیند جو اس کی آنکھوں میں کنکریوں پتھروں کی طرح چبھ رہی تھی، اچانک ہی طراوٹ میں بدل گئی۔ چہرے پر بشاشت دوڑتی چلی گئی تھی۔ کیا حالات کچھ بہتر ہوئے۔ ''ڈیڈی کیا بتا رہے تھے؟'' وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتر آئی۔

''کیا ہوا؟ کیسا ہوا رہا ہے یہ سب۔ اب تم ان سب کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں اور تمہارے ابویا لکھنؤ بھی جا سکتے ہیں۔ کیا سمجھا ہے عالیہ صدیقی کی فیملی نے۔ کہ فہد کے مددگار موجود ہی نہیں ہیں۔'' جدی اسے سمجھاتے سمجھاتے پھر جلال میں آ گئے۔ وہ ہلکی پھلکی سی ہو کر عجب سرشاری کے عالم میں داخلی دروازہ کھولتی لان میں نکل آئی۔

مضبوط خاندان ہر انسان کا آہنی حصار ہوتا ہے۔ نجانے ڈیڈی اس حصار کو توڑ کے وہاں کیوں پڑے ہیں۔ اگر آج وہ یہاں موجود ہوتے تو ننانو اور ماموں کی ہمت تھی کہ وہ ان کے خلاف یوں اٹھ کھڑے ہوتے۔ خیر، ابھی بھی وقت ان کی مٹھی میں آ سکتا ہے۔ یقیناً سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سوچتے ہوئے اس نے اطراف میں نظر دوڑائی۔ لان سبز بیلوں، سفید اور کاسنی پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سورج کے سنہری قلعہ سے ننھی ننھی پریاں ہنستی کھلکھلاتی نکل رہی تھیں۔ سارا ماحول ان کی آمد پر مسکراتا۔ خوش آمدید کہتا محسوس ہو رہا تھا۔ ہار سنگھار کے درختوں کے کنارے والے حصے میں ابویا احمد غامدی کا ولا تھا۔ درمیان کی یہ قدآدم چار دیواری بچپن میں اسے بہت کھلا کرتی تھی۔ اُمی (تائی) زینب کی کوشش سے ہمیشہ یہ دیوار پھلانگنے کی ترغیب دیا کرتی تھی۔ زینب اسے اتنا ہی چاہتی تھیں کہ جب وہ ہر سال

آہ! عفت موہانی

اردو ادبی حلقوں میں یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ برصغیر کی مقبول و ممتاز افسانہ، کہانی اور ناول نگار محترمہ عفت موہانی کا ۱۶ نومبر شام ۴ بجے انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا علیہ راجعون۔

محترمہ تقریباً دو سال سے علیل تھیں اور چار ماہ سے بالکل بستر سے لگ گئیں تھیں۔ آپ کی عمر ۷۵ سال تھی۔ مرحومہ نے اپنی حیات عزیز اردو ادب کے لیے وقف کر رکھی تھی اور شخصی و قلمی اعتبار سے بے حد عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ خاص طور سے خواتین کی اصلاح اور تعلیم نسواں کی ترقی و ترویج کے لیے آپ کی قلمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ کے ۹۲ ناول، ۷۵۰ افسانے، کہانیاں اور ریڈیائی ڈرامے کبھی فراموش نہیں کیے جا سکتے۔ پاکیزہ آنچل سے آپ کی گہری وابستگی تھی اور ایشیا کے اس عظیم ماہنامے کے لیے ابتداء سے ہی بہترین افسانے اور ناول آخری عمر تک لکھتی رہیں۔ ادارہ مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعا کرتا ہے اور پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

شریک غم: خالد مصطفیٰ صدیقی، غزالہ صدیقی
اور اراکین پاکیزہ آنچل

چند دنوں کے لیے جدہ آیا کرتی تھی تو امی محبت کے خزانے اس پر لٹا دیا کرتی تھیں۔ سارا کے خیال میں اسکی غالباً صرف یہی وجہ تھی کہ ان کے تین بیٹے تھے۔ آساد، حمزہ اور حماد۔ بیٹی کوئی نہ تھی۔ وہ اکثر یہ اعلان زور و شور سے کرتی تھیں کہ سارا بس انہیں کی بیٹی ہے۔ اس کے ناز، نخرے جتنے وہ اٹھاتی تھیں اتنے تو عمتی (پھوپھی) خدیجہ بھی نہ اٹھاتی تھیں جنکا ولا ابویا کے ولا کے بعد میں آتا تھا۔ عمتی خدیجہ کے بس دو ہی اولادیں تھیں۔ ضرار اور حنان۔ ضرار کی شادی کئی سال پہلے مریم سے ہو گئی تھی۔ اب تو ان کا

ایک پیارا سا بیٹا عبداللہ بھی تھا۔ حنان، سمارا کی ہم عمر تھی اور جامعہ یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویشن کر رہی تھی۔ عمو فہد ہاندی (چچا) نے اس کے بعد چوتھے نمبر پر اپنا ولا بنوایا تھا۔ جہاں ان کی بیوی فاطمہ کے علاوہ دو بیٹیاں تھیں شمیلہ اور کاملہ۔ شمیلہ اس خاندان کی سب سے شگفتہ اور ذہین و فطین لڑکی تھی۔ وہ ایم بی اے کرنے کے بعد اب ایم ڈی کر رہی تھی۔ کسی ہوٹل میں جاب بھی اس کی اب جاری تھی۔ کاملہ گریجویشن کر رہی تھی سیکنڈ ایئر تھا اس کا۔ کاملہ کا رشتہ حماد سے اور حنان کا رشتہ حمزہ سے بچپن ہی سے طے تھا۔ حمزہ انجینئرنگ کر کے، دو سال کی تعلیم آسٹریلیا سے مزید حاصل کر کے آ چکا تھا۔ جب کہ حماد قطر یونیورسٹی میں ایم بی اے کے آخری سال میں تھا۔ آج کل چند دنوں کی چھٹیوں میں وہ بھی آیا ہوا تھا۔

عمو نے شمیلہ کو چھوڑ کر کاملہ کا رشتہ کیوں کر طے کر دیا۔ شمیلہ کا نمبر بڑی ہونے کے ناطے پہلے آتا ہے۔ اس نے رات ہی یہ بات حنان سے کہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح سونے کے لیے وہ اس کے پاس آئی تھی۔ ہم عمر اور ہم خیال ہونے کے سبب دونوں میں بے حد دوستی تھی۔ شمیلہ عمر میں حمزہ سے بڑی تھی۔

"ویسے عالیہ آنٹی نے اپنے بھتیجے سے رشتہ جوڑ کر اچھا نہیں کیا۔ تمہیں ہمیشہ کے لیے ہم سے چھین لیا۔ اچھا یہ تو بتاؤ، موصوف ساتھ کس کا دے رہے تھے تمہارا اور عمو فہد کا یا عالیہ آنٹی کا۔" حنان ہمیشہ سب کے ساتھ ابان شکیل کی خیریت پوچھنا نہیں بھولتی تھی۔

"ڈیڈی کا ساتھ تو کسی صورت نہ دیں گے۔ نجانے کونسے زمانے کی دشمنی ہے۔" وہ تلخ سی ہوئی۔ "چھوڑو اس کا ذکر۔" شاید وہ دل کی ان گہرائیوں تک نہیں پہنچا تھا۔ جہاں کوئی شخص اپنی

محبت کو دنیا کے ہر تعلق پر فوقیت دینے لگتا … بھی تو اسے مطلع کیے بغیر یہاں اتنی دور چلی … کیا اسے بام سے رابطہ قائم کرنے کی ایک … نہیں کرنی چاہیے۔ سوچتے سوچتے اس … عمارت کے دوسری طرف بنے سوئمنگ پول … تھی۔ کوئی اس میں سے نہا کر نکل رہا تھا … سوئمنگ ڈریس پہنے وہ شخص اب باہر آ کر … تاول اٹھا کر بالوں کو خشک کر رہا تھا۔ سورج کی … کرنیں اس کے پتھریلے وجود پر متحرک رہی … یقیناً کوئی ریسلر جیسا تھا اس کی بانہوں کی … دور سے نظر آ رہی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے … طرف رخ کیے بغیر وہ سامنے بنے کیبن … لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔

فلسطینی خادمہ اسے نجانے کب سے … تھی۔ وہ اسے اشارے سے اندر چلنے کے … رہی تھی۔ وہ اب چونکی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ … غصہ اور خفگی اس کے وجود میں اتری تھی۔ یہ … پول صرف سمارا کے ہی لیے جدی نے پچھلے … ولا میں بنوایا تھا۔ دوسرے ولا میں مصنوعی … آبشار ضرور بنوائے گئے تھے یا پھر فوارے … گئے تھے لیکن اس طرح کا لمبا چوڑا پول صرف … حصہ میں بنوایا گیا تھا۔ وہ اندر کی سمت پلٹ … لیکن ناراضگی اس کے چہرے سے ہویدا … کون تھا جو اتنی بے تکلفی سے اس کے سوئمنگ … میں نہا رہا تھا؟

پھر اندر ناشتے میں شامی اخضر (سبز …) کھجوروں کے ساتھ کھاتے ہوئے وہ جدی … مخاطب ہوئی۔

"کیا یہاں سب نہانے کے لیے میرا … استعمال کرتے ہیں؟"

"اب تو نہیں، ہاں آسارا [illegible]

حبابہ کے وظیفے لمبی تسبیح فجر کی نماز کے بعد بھی کافی دیر تک چلتے تھے۔

"حیرت ہے کہ آسارا یہاں موجود ہے۔ پھر اس سے آ کر کیوں نہیں ملا؟" وہ الجھتے ہوئے قول تمیزہ (سعودی ڈش) کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"میں نے خاص طور پر تمہارے لیے بنوایا ہے۔ تمہیں بہت پسند ہے نا۔" حبابہ عبادت سے فارغ ہو کر بعد اصرار اسے کھلانے میں لگی تھیں۔

رات کی سیاہی ماحول پر پوری طرح حاوی ہو گئی تھی۔ سمارا کو نجانے کیوں وہ رات تاریک آنچل پھیلائے سوچوں کے جال بنتی نظر آئی۔ وہ حنان اور کاملہ کے ساتھ سمندر کے کنارے چلی آئی۔ چند …ٹ کا ہی فاصلہ تھا مگر جدی نے ڈرائیور کو ساتھ بھیج …یا تھا۔ اس نے بھی سعودی عورتوں کی طرح عبایہ (برقعہ) پہن لیا تھا لیکن نقاب لگانے سے قطعی معذرت کر لی تھی۔ سمندر کی لہریں قہر و غضب کی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ اس قدر جوش اور طیش کے عالم میں وہ کنارے کی سمت بڑھتی تھیں جیسے ہر کسی کو فنا کر دینے کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن ساحل اپنے گلے سے لگاتے ہوئے نجانے کیا سرگوشی کرتا تھا کہ وہ شرم و حیا کی دیوی بنی، سکڑی سمٹی سی واپس لوٹ جاتی تھیں۔

"آج چاند کی چودہ تاریخ ہے بھی یہ لہریں اس قدر بے قرار ہیں۔" حنان سائڈ میں بچھی پتھر کی نشستوں پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ تیز تیز بجتے ہوئے موبائل کی ٹیون سنتے ہوئے سمارا فلک نے آسمان کی سمت نظریں اٹھائی تھیں۔ سیاہ آسمان کے سینے پر چاند چمکتا ہوا گولا بنا شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ موبائل تیزی سے آن کرتے ہوئے وہ قدرے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔

"یس ڈیڈی!" اس کی آواز میں ان لہروں سے زیادہ بے تابی تھی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی یہ

غزل

قاسم ہنر راعینی

بزمِ ہستی پہ شبِ غم کا اثر آج بھی ہے
میرے دل کو مگر امیدِ سحر آج بھی ہے

ایک مدت ہوئی جینے کی جسارت کی تھی
خرمنِ دل پہ مرے رقصِ شرر آج بھی ہے

اپنی قوت پہ بڑا ناز تھا آندھی کو مگر
شمعِ ضوبار سرِ راہگزر آج بھی ہے

میرے ہاتھوں کو تو زخموں کے سوا کچھ نہ ملا
شوقِ آئینہ گری مجھ کو مگر آج بھی ہے

نعرۂ عدل و مساوات لگانے والو
نوکِ نیزہ تو مظلوم کا سر آج بھی ہے

اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے یہ ذلت، ورنہ
اہلِ ایماں کے لیے فتح و ظفر آج بھی ہے

ہم کو آزاد ہوئے نصف صدی بیت گئی
اور ذہنوں پہ غلامی کا اثر آج بھی ہے

اک زمانہ ہوا سلجھاتے ہوئے زلفِ حیات
منتشر ویسی ہی کمبخت مگر آج بھی ہے

کوئی پیدا تو کرے ہمتِ عالی دل میں
بحر کی تہہ میں تو افراطِ گہر آج بھی ہے

کور ذوقوں کے یہاں قیمتِ فن کچھ بھی نہیں
قدر دانوں کے یہاں قدرِ ہنر آج بھی ہے

ان کی پہلی کال تھی۔

"آپ خیریت سے تو ہیں نا؟"

"میری خیریت تمہاری خیریت سے مشروط ہے بیٹا!" اسے فہد عامدی کی آواز کمزور سی لگی تو وہ تڑپ سی گئی۔ "بالکل ٹھیک ہوں ڈیڈی! مگر آپ نے مجھ

سے وہ ان کی بات کیوں نہیں کی۔ صرف جدی
سے ہی قریب رہی [illegible] مجھے آپ کی
"پھر تمہارا [illegible] گیا ہے۔ میں
مستقبل نظر [illegible] اس کے [illegible] جو
مجھے [illegible] کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ [illegible] طرح
سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ [illegible] ہم
سے اپنی [illegible] کے لیے [illegible] نہیں
[illegible] نہیں کر رہے۔
[illegible] تھا۔
"نہیں [illegible] ہیں۔" وہ پوری [illegible] سے
ہوا۔

"سوچ کر جواب دو۔" ڈیڈی نے جب ایکدم
[illegible] ہی گئی۔
"میں [illegible] ڈیڈی، مجھے نہیں ہے کہ [illegible]
[illegible] ہوں کہ [illegible] ہو جائے [illegible] کر
[illegible] "وہ تو [illegible] ہو گی۔"
"پھر مجھے [illegible] یقین [illegible]" "خیر
[illegible] مسلسل [illegible] ہیں کہ
نہیں فوراً ان کے حوالے کر دوں۔ [illegible] ہو سکتا ہے"
[illegible] مزید [illegible] کوشش کریں۔
اس کا مطلب ہے کہ وہ [illegible] سب جو [illegible] سے
[illegible] ہو گئے ہیں۔ بہرحال ڈیڈی آپ پریشان نہ
ہوں۔ میں اب کوئی بچی نہیں ہوں۔ پھر
[illegible] ایک مضبوط حصار کی شکل
میں موجود ہے۔
"[illegible] محسوس [illegible] کر رہی ہو۔ جو میں
کہہ رہا ہوں۔ [illegible] کہ تم تک
[illegible] سارے راستے [illegible] (بند) ہو
جائیں۔ [illegible] کہ وہ سب کے [illegible] ہوا ہے
[illegible] ان کے
[illegible] کرتے ہوں۔ میں

بہرحال اس کا [illegible] نہیں چاہتا [illegible]
نے اب کے مشورے سے پہلے کیا کہ تمہارا
فوراً کسی سعودی لڑکے سے کر دیا جائے۔ [illegible]
شہریت بھی حاصل کر لو گی اور پھر یہ لوگ تمہارا [illegible]
[illegible] سے بیٹھ جائیں گے۔"
"کیا؟" اچانک ہی اسے لگا تھا جیسے سمندر کی
ساری لہروں نے بیک وقت اس پر چڑھائی کر دی
ہو۔ دماغ ایک ماؤف سا ہو گیا تھا۔
"کیا ابھی اتنی جلدی؟" اس کی آواز بمشکل
نہیں بلند ہوئی۔ "بالکل فوری یہ کام کرنا ہے۔"
"میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے یہ [illegible]
حال آسانی سے قابل قبول نہیں ہے مگر ہماری مجبوری
یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ [illegible]
رہی ہو میری بات۔"
لہریں اسے سمندر کے اندر گھسیٹ رہی تھیں
بڑی تیزی سے اس نے اپنے وجود کو [illegible]
غرق ہوتے محسوس کیا۔
ڈیڈی اگلے کئی منٹوں تک اسے سمجھاتے
رہے، دلاسے دیتے رہے تھے جب کہ وہ [illegible]
سانسوں میں گہری خاموشی مہر بلب تھی۔
غرق ہونے کے بعد ساکت و جامد وجود
کیسے حرکت کرتا ہے؟

☆☆☆

آپ کے چہرے پہ مہتاب کا دھوکا ہے [illegible]
آپ دے دیجیے چھونے کی اجازت ہم کو

"ہم سب بہت دیر سے تمہارے منتظر ہیں۔"
اس نے منتشر ہوتے دماغ کو [illegible] ہوئے
کے ساتھ سیڑھیوں پر اوپر جانے کے لیے قدم [illegible]
ہی تھا کہ جدی نے پیچھے سے آواز لگا دی۔ [illegible]
[illegible] رک کر پلٹنے لگا [illegible]
وہ [illegible] تھی۔ [illegible] اور سب کے درمیان [illegible]

تقریباً گھر کے بھی بزرگ وہاں جمع تھے۔ لڑکیوں کو
ایسی محفلوں میں آنے کی اجازت ہی نہ تھی۔ یوں بھی
یہاں ہر جگہ مرد اور عورتوں کے لیے نشست سے
لے کر، رہنے سہنے تک کے لیے علیحدہ علیحدہ جگہیں
تھیں۔ دونوں کے مل بیٹھنے کے مواقع نہ کے برابر
تھے۔ اس وقت بھی بس خواتین حجاب (سر اور جسم کو
ڈھکے ہوئے) کے مکمل اہتمام کے ساتھ تھیں۔ وہ
بھی حجاب پہنے رہی۔
"کل صبح بعد فجر ہم سب مکہ مکرمہ کے لیے نکل
رہے ہیں۔ طواف زیارہ سے بھی فارغ ہو لینا اور
وہیں پر قاضی اور دیگر افراد کی موجودگی میں تمہارا
نکاح آسادہ کے ساتھ پڑھا دیا جائے گا۔"
"کل صبح ہی؟" وہ گھبرا کر وحشت زدہ سی
ہر ایک کا چہرہ تکنے لگی۔
"جتنی جلدی یہ کام ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔
تمہیں معلوم نہیں ہے کہ تمہارے ننھیال والے تلوار
بنے ہم سب کے سر پر لٹک رہے ہیں۔" جدی نے
اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔
باوجود کوشش ضبط کے دو چار ضدی آنسو اس کی
آنکھوں سے کود آئے۔
امی نے بے ساختہ ہی اسے سینے سے لگا لیا تھا۔
"میرا خیال ہے کہ اب اسے آرام کرنے دیا جائے
اور مزید پریشان نہ کیا جائے۔" پھر وہی اسے اٹھا کر
اوپر والے کمرے میں لے آئیں جہاں حنان کاملہ
بے پناہ خوشی کے احساس تلے اس کا ہاتھ تھامے کہہ
رہی تھیں۔
"تم ہمیشہ سے ہماری تھیں۔ بھلا ہم سے دور
کیسے جا سکتی تھیں۔ اخویا آسادہ ہمیشہ سے بہت خوش
قسمت رہے ہیں۔ ہمیں یقین تھا کہ یہ اتنی پیاری
گڑیا بھی انہیں کو ملے گی۔" ادھر سارا کو اپنا وجود [illegible]
کرتا نامعلوم سمت کی طرف پرواز کرتا محسوس ہو رہا

تھا۔ نجانے کیا منزل تھی اس کی؟ کہیں مستقبل کسی
گہری کھائی میں دفن نہ ہو جائے۔ جلد بازی کا اکثر
یہی انجام ہوتا ہے۔
پھر صبح فجر کی نماز ادا کرتے ہی کاروں کا قافلہ مکہ
معظمہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ نجانے کون کون کس
کی کار میں، کس کے ساتھ تھا اسے کچھ اندازہ نہ تھا
بس وہ خود جدی کی کار میں پچھلی نشست پر بیٹھی تھی۔
ابویا گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے، آگے بیٹھی امی
سے عربی میں مسلسل گفتگو کرتے جا رہے تھے۔ پھر
نہایت سنجیدہ اس گفتگو میں حنا اور جدی بھی شامل
ہو گئے۔ ادھر وہ بار بار نقاب ہٹا کر منہ کھول کر سانس
لینے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کی سیاہ گھنیری پلکوں
والی چمکیلی آنکھیں، بار بار نمکین پانیوں سے بھر
جاتیں۔ ڈیڈی کے بغیر مام کے بغیر نکاح کا فیصلہ اس
کی روح کو مسوسے جا رہا تھا۔ لبان شکیل سے اس
نے قطع تعلق ضرور کر لیا تھا مگر اتنی جلدی ذہن و دل

इतना हसीन
इतना खूबसूरत
इतना दिलकश
इतना रंगीन
इतना पाकीजा

कौन?

महकता आंचल
फैमली मैगजीन
जे-17, जंगपुरा एक्सटेंशन,
नई दिल्ली-14

کسی اور شخص کے لیے اجنبی نہیں ہو رہا تھا۔ مگر وہ حالات کے سامنے بے بس تھی۔ آکٹوپس کی طرح ان حالات نے اسے جکڑ لیا تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے پہنچنے کے بعد وہ سب مختلف ٹولیوں میں بٹ کر طواف میں مصروف ہو گئے۔ پھر طواف کے بعد بھی لوگ جمع ہو کر حرم کے ایک قدرے کھلے حصے میں جا بیٹھے تھے۔ قہوہ اور کھجوروں سے جسم کو توانائی پہنچائی گئی اور پھر ہمارا کو سب کے درمیان بیٹھ جانے کے لیے کہا گیا تھا۔ نزدیک میں آف وائٹ توپ اور لال چیک والا رومال پہنے، جو شخص بیٹھا تھا، وہ یقیناً آسادہ تھا مگر اس نے نظریں اٹھا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ دل میں کہیں کوئی لطیف جذبہ موجود نہ تھا۔ سامنے جدی ابا اور عمو کے درمیان بیٹھے قاضی صاحب عربی میں کچھ آیات پڑھ رہے تھے۔ چاروں طرف چل رہے اے سی اور پنکھوں کی تیز ہوا میں ان کا سیاہ شانڈل (سیاہ گاؤن جو معزز ہستیاں لباس کے اوپر پہنتی ہیں) لہرا رہا تھا۔ اس کی زندگی کا سنہرا دور بھی تو یونہی اڑ گیا تھا۔ ڈیڈی کی محبتیں، مام کے لاڈ سب ماضی کی دھند میں جا چھپے تھے۔ اب نجانے اس نئے ماحول میں نئے لوگوں، نئی زبان اور اس اجنبی آسادہ کے ساتھ کیسے گزرنے والی تھی۔ دھند کے پیچھے کیا پوشیدہ ہے کون جان سکتا ہے یہ تو دھند چھٹنے کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ راستہ صاف ہے یا خاردار۔

قاضی صاحب عربی میں اس سے کچھ دریافت کر رہے تھے۔ جدی نے انگلش میں ترجمہ کرنا شروع کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ اس کا حق مہر اس کے گواہ اور وکیلوں کے بابت بتاتے ہوئے اس کی مرضی دریافت کر رہے ہیں۔

"میری بیٹی صرف میرے دماغ سے سوچتی ہے اور میری زبان سے بولتی ہے۔" نجانے کب کا کہا

ڈیڈی کا یہ فقرہ یاد آیا تو اس نے بے ساختہ ہاں کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"جب آپ کا کہنا مانتے مانتے اس مرحلے تک آ گئی ہوں تو اب کیا انکار کروں گی۔ آپ کی خوشی کے لیے یہ بھی منظور۔ سارے جہاں کو ناراض کر دیا۔ اب آپ تو خوش ہو جائیے۔" وہ آسمان کی سمت نہیں دیکھ رہی تھی۔ نظریں جھکائے وہ ڈیڈی سے مخاطب تھی۔ مختلف کاغذات پر دستخط کرنے کے بعد مبارک سلامت کا دھیما دھیما شور ہوا تھا۔ بھی خواتین اور لڑکیوں نے اسے گلے لگا کر "چلو اب تم سب دولہا دولہن کا پیچھا چھوڑو اور ان دونوں کو ایک شکرانے کا طواف کرنے دو۔" امی نے سب کے گھیرے سے ہمارا کو کافی مشکل سے نکالا تھا اور ایک مضبوط اور طاقت ور ہاتھ نے اس کا نرم و ملائم سا بھیگا بھیگا ہاتھ تھام دیا تھا۔

"نکاح کے بعد ہمارے خاندان کا یہ رواج ہے کہ دولہا دولہن ساتھ مل کر، ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر طواف کرتے ہیں تاکہ نئی زندگی کا یہ سفر مبارک ثابت ہو۔"

"آسادہ! اس کا دھیان رکھنا۔ زیادہ ہجوم والی جگہوں سے ہمارا کا دم گھٹنے لگتا ہے۔" امی نے اس کا بالکل صحیح تجزیہ کر رہی تھیں۔ جواب میں آسادہ کے ہاتھ نے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی خنڈے ماربل کی سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی، خانہ کعبہ کے سامنے جا پہنچی تھی۔ وہ طواف کی شروعات کے لیے سنگ اسود کے سامنے چوڑی سی سیاہ پٹی پر کھڑے ہو گئے۔ بڑے بھاری اور گمبھیر لہجے میں وہ اسے عربی کے ساتھ طواف کی نیت کروا رہا تھا۔ پھر دونوں نے چکر لگانے شروع کیے تھے۔ دو لوگوں کے درمیان سے بچاتا ہوا قدرے دھیمی رفتار سے چل

بھی پاؤں پر چکر تک وہ ہانپنے لگی۔ کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی تو صبح کے صرف گیارہ بجے نظر آئے جب کہ سورج کے مکمل شعاعیں بکھیرنے کے ارتکاز کو دیکھ کر اور اس کی جھلسا دینے والی آگ لگاتی گرمی کو محسوس کر کے دوپہر کے دو بجے کا شبہ ہو رہا تھا۔

"مجھے چکر سے آ رہے ہیں۔" اسے آخر کار زبان کھولنی پڑی۔ اس انکار سے برساتی گرمی نے آخر کار اسے جھکا دیا تھا۔

وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ دونوں شانوں سے اسے تھامتا ہوا، اسے دائرے سے نکال کر قدرے چھاؤں والی جگہ پر لے آیا۔ پھر کنارے پر رکھے زمزم کے واٹر کولر میں سے پانی نکال کر اسے دیا تھا۔

"چلیں اب واپس! بس دو چکر اور باقی ہیں۔ جلدی سے کر کے آ جاتے ہیں۔" وہ نرمی اور ملائمت سے تھوڑی دیر بعد کہہ رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ پھر سے اس نے تھام لیا تھا۔ پھر باقی کے دو چکر بہت تیزی سے دونوں نے پورے کیے تھے۔ دو رکعت نماز بھی ایک کونے میں آگے پیچھے ادا کی تھی اور پھر وہ اسے حرم سے نکالتا ہوا باہر کھلے حصے میں لے آیا تھا۔ سامنے "بن داؤد" نامی بڑا سا شاپنگ سینٹر تھا۔ دونوں اس میں بنے "آل تزاج" (روسٹڈ چکن کو ایک نئی شکل دینے والا ریسٹورنٹ) کے کیبن میں جا بیٹھے تھے۔ اے سی کی ٹھنڈی اور معطر ہوائیں اور پھر پیپسی کا بڑا سا گلاس۔ کافی دیر میں جا کر اس کے حواس واپس آئے تھے۔ اور تب اسے گھر کے باقی افراد کا خیال آیا تھا۔ ان دونوں کو وہیں سب کے پاس ہونا چاہیے تھا آخر آسادہ اسے طواف ختم کرنے کے بعد یہاں کیوں لے آیا تھا۔

"سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" کہتے کہتے اسے خیال آیا کہ وہ اب بھی اس کا ہاتھ تھامے ہوا تھا۔

غزل

رضوانہ اعظمی۔ گورکھپور

ہر اک لمحہ قیامت کی گھڑی ہے
مجھے دیکھو اسے اپنی پڑی ہے
ادھر جو زیست قدموں میں پڑی ہے
سرہانے موت بھی آ کر کھڑی ہے
مری کوشش زمیں سیراب کر دوں
تری سیلاب ہونے پر اڑی ہے
پڑا ہے کارواں بیہوش کب سے
مسافت کی تھکن کتنی کڑی ہے
گھرا رہتا ہوں ہنگاموں میں ہر دم
مگر تنہائی قسمت میں جڑی ہے
یہ سورج ڈھل رہا ہے راز شاید
کہ پرچھائیں مری مجھ سے بڑی ہے

"وہ سب لوگ اب یہاں کہاں؟ جب ہم نے طواف کی شروعات کی تھی تبھی وہ لوگ جدہ کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔" وہ گہری نظروں سے بدستور اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ ہمارا نے یکدم ہی کسمسا کر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ مگر زبان سے اس لیے نہ کہہ سکی تھی کیونکہ ویٹر گرم گرم چکن مختلف چٹنیوں کے ساتھ سرو کرنے میں مصروف تھا۔ پھر جیسے ہی ویٹر باہر نکلا تھا وہ بے ساختہ احتجاج کر بیٹھی۔ "ہاتھ تو چھوڑیں میرا۔"

سیاہ جالی دار نقاب سے صرف روشن بڑی بڑی آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ یونہی بے خیالی میں نظر ان روشن آنکھوں پر تھیں اور پہلی بار اس نے آسادہ کا

جائزہ لیا۔ خاصی سانولی رنگت تھی، آنکھیں درمیانی سائز کی تھیں نہ بہت گہری اور نہ بہت چھوٹی۔ بے دل ہی ہو کر اس نے ناک کا جائزہ لیا۔ جو بے شک تھی لیکن قدرے موٹی تھی۔ قطعی جاذب نظر اور پرکشش چہرہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ایسی شخصیت کو پسند کیا ڈیڈی نے میرے لیے۔ لبان خلیل پر فوقیت دے کر۔ یہ یقیناً جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ ہے۔ اس نے ناک سکوڑ کر سوچا۔ لبان جس پر وجاہت و حسن ختم ہوتا تھا جس کو صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے لڑکیاں، تقاریب میں گھنٹوں منتظر رہتی تھیں۔ جس سے منگنی ہو جانے کے بعد سمارا کی خوش قسمتی میں ہزار گنا اضافہ ہوا تھا۔ اور اس کی حماقت دیکھو۔ بغیر آساد کو دیکھے، صرف ایک بار ڈیڈی کے کہنے پر نکاح کے لیے راضی ہو گئی۔ ذرا تو انکار کرتی، ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی اور ترکیب سوچ لیتے۔

"یہ تو قابل ہے۔ خود بڑے زور و شور سے ہمارا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ اور ہم ترستی ہوئی نظروں سے پچھلے کئی گھنٹوں سے صرف آنکھیں ہی دیکھے جا رہے ہیں۔ یہاں اب کوئی نہیں آ سکتا۔ تم با آسانی نقاب ہٹا سکتی ہو۔" وہ سمارا کی دلی حالت سے بے خبر بدستور شوخی بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پہلے تو آپ میرا ہاتھ چھوڑیں۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو پائی تھی۔

"سوری! جب تک چہرہ نہ دیکھ لوں، ہاتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر چھوڑ گئیں تو پہچانوں گا کیسے؟ اور صحیح سلامت امی اور بابا کے حوالے کیسے کروں گا۔" وہ بڑے مزے سے ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ بڑی شستہ اور رواں انگلش بھی آتی۔ نہ وہ درمیان میں کہیں اٹکا تھا اور نہ کہیں عربی کے الفاظ استعمال کیے تھے جب کہ گھر کے باقی افراد خصوصاً خواتین ایسا ہی کرتی

تھیں۔ اکثر وہ اندازے لگا کر معنی اخذ کرتی تھی۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ نے [illegible] دیکھا ہی نہ ہو۔" سمارا نے تنگ آ کر ہاتھ چھڑانے کی کوشش ترک کر دی۔ "سب سے پہلے گھر میں [illegible] ہوتے وقت آپ سے ہی ٹکرائی تھی۔" کہتے [illegible] اس کی طبیعت مکدر ہوگی۔ کاش اسی دن اس [illegible] کو دیکھ لیتی تو آج یہ صورت حال نہ ہوتی۔ [illegible] آساد گیا کس پر؟

"ابویا، امی، حمزہ اور حماد سب کس قدر خوبصورت بلکہ حسین ترین کہلائے جانے کے لائق ہیں۔" وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی۔

"ارے! اب صرف ایک نظر ڈالی تھی تم پر۔ وہ بھی اتفاقاً ہی پڑ گئی تھی۔ اب نہایت اطمینان اور سکون سے دیکھنے کا پروگرام ہے۔" وہ استحقاق بھرے انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

"نہیں! ضرورت بھی کیا ہے۔" وہ خاصی تلخی سے بولی تھی۔ "میرا خیال ہے کہ اب واپس چلیں۔" کہتے کہتے وہ اضطرابی کیفیت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھو نیچے!" وہ بدستور کرسی پر براجمان رہا۔ "یہ سب کچھ جو میں نے منگایا ہے پہلے سکون سے کھاؤ۔ تم نے صبح بھی ناشتہ نہیں کیا تھا۔ اور ہاں، یہ نقاب کا تکلف آئندہ تم مجھ سے نہیں کرو گی۔ جیسی بھی ہو، جہاں بھی ہو۔ مجھ سے اب تم چھپ نہیں سکتیں۔" کہتے کہتے اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی نقاب ہٹا دی تھی اور پھر خود ہی ششدر سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

سفید اور گلابی رنگ کے گلاب کے پھولوں کو اگر باہم یکجا کر دیا جائے تو جو رنگت، حسن اور لطافت پیدا ہوگی، وہ سب سمارا کے چہرے پر تھی۔ لبنانی لڑکیوں جیسا کتابی چہرہ اور اس پر لمبی ستواں سی ناک۔ [illegible] لمبی پلکوں والی بڑی بڑی آنکھیں، جو پچھلے کئی گھنٹوں

سے اس کے دل کو بے قرار کر رہی تھیں۔ سب سے زیادہ پرکشش اور جاذب نظر اس کے ابھرے ہوئے گلابی لب تھے۔ آساد کو محسوس ہوا جیسے دنیا کے سارے پھولوں کا رس انہیں لبوں نے چرا لیا ہے۔ مسلسل نقاب کے ڈھکے رہنے سے ننھی ننھی پسینے کی بوندیں ان لبوں کے اطراف میں جھلملا رہی تھیں یوں جیسے گلاب کی پتیوں پر شبنم کی بوندیں۔ اس نے اچانک اپنے جسم میں بے شمار چیونٹیوں کو رینگتے محسوس کیا۔ شدت سے ان بوندوں کو سمیٹ لینے کی خواہش اس نے اپنے دل میں محسوس کی تھی۔

"اگر آپ میرے ہاتھ پر اب کرم کریں تو میں کچھ کھا لوں۔ ورنہ پھر آپ یہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیں گے۔" سمارا اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے خاصی نروس ہو گئی تھی۔ مگر اپنے لہجے کے اعتماد کو برقرار رکھنے کی بہرحال اس نے پوری کوشش کی تھی۔

ادھر وہ گہری سانس کھینچتا ہوا، اس کا ہاتھ چھوڑ گیا۔ سمارا نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور خود کو خاص پرسکون اور مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر بھوک کی کیفیت شدید تھی یا پھر چکن ہی بہت لذیذ تھا وہ آدھے ڈبے سے زیادہ ہی کھا گئی تھی۔ ادھر وہ اس کے لیے آئس کریم اور مزید پیپسی لے آیا تھا۔ خود اس نے کچھ بھی نہ کھایا تھا اور نہ سمارا نے یہ پوچھنے کی زحمت کی تھی کہ وہ کیوں کچھ نہیں کھا رہا؟ پھر اس کے ساتھ انڈر گراؤنڈ پارکنگ میں آتے ہوئے، وہ مٹسوبشی کی سلور اور رائل بلو کلر کی جیپ میں آگے والی نشست پر مجبوراً ہی بیٹھی تھی۔ دماغ اب ان طریقوں پر غور کر رہا تھا جس کے ذریعے ڈیڈی کے سامنے اس نکاح کے سلسلے میں اپنے غم و غصے کا اظہار کیا جائے۔ گاڑی پارکنگ ایریا سے نکل کر جب بڑی شاہراہ پر آ گئی تو آساد نے اسے ایک طرف اچانک ہی روک دیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں

غزل

محمد وارث انصاری، امبیڈکر نگر

موسم کی طرح رنگ بدلتے ہوئے دیکھا
انساں کو کئی روپ میں ڈھلتے ہوئے دیکھا

تا عمر جسے زہر اگلتے ہوئے دیکھا
اس کے ہی لیے دل کو مچلتے ہوئے دیکھا

الفت بھری باتوں سے محبت کی کشش سے
پتھر کو کئی بار پگھلتے ہوئے دیکھا

بیٹے کے تبسم کو جواں رکھنے کی خاطر
اک ماں کو کڑی دھوپ میں جلتے ہوئے دیکھا

نفرت کی ہواؤں نے بجھا ڈالا ہے اس کو
جس شمع محبت کو تھا جلتے ہوئے دیکھا

پیروں تلے ظالم کے چمن زار میں ہم نے
ہر گام پہ کلیوں کو مسلتے ہوئے دیکھا

دولت پہ جسے ناز تھا اس شخص کو وارث
ہم نے کفِ افسوس ہے ملتے ہوئے دیکھا

میں اتنی گم تھی کہ تنتی ہی دیر اسے اندازہ بھی نہیں ہوا۔

"یہ تمہیں رونمائی میں دینے کے لیے خریدا تھا۔" وہ آدھے پھول کی شکل کا ہیرے کا پینڈینٹ ایک ڈبے سے نکال رہا تھا۔ "آج تمہیں دیکھا ہے تو ان یادگار لمحوں کی نشانی کے طور پر اسے تمہارے گلے میں آج ہی آ جانا چاہیے۔"

وہ اپنی سابقہ شوخی والے پراعتماد انداز میں، چین کے لاک کو کھولتا ہوا اسے سمارا کے گلے میں ڈال رہا تھا۔ ادھر وہ اس اچانک افتاد پر متوحش سی ہو گئی تھی۔

"میں جیولری پہننے میں قطعی دلچسپی نہیں رکھتی۔" وہ فوراً ہی جھٹکے سے اسے اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔

"پتے ہو تم۔" وہ بھاری اور جذباتی آواز
میں بولا۔ "مجھے اسد بیٹے تمہارے گھر میں ہے
مرد رکھنا ہے ... موجودگی یاد دلا رہی ہے
... کر رہا تھا۔"
"ڈیڈی کو ... تمہارے ... وجود
"تم کیسے لوگوں کو پہچان گئے ..." لگے
... بولی تو ... سوچ
... نظروں سے ...
رہی تھی۔ لیکن ... اپنے جذبات اور
ارادوں کا اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنے جذبات اور
احساسات کے اظہار پر صرف قدرت رکھتا ہے
بلکہ ... سلسلے میں ...
بھی کرنے لگے۔ پھر ... جب وہ لوگ واپس
سامنے کار پارک کرکے وہ کار سے اترنے سے
پہلے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
"فی الحال ریسٹ (آرام) کرو۔ پھر شام کو کہیں
آؤٹنگ پر چلتے ہیں۔"
"سوری ممی یہ مناسب نہیں سمجھتی۔" وہ خفگی
سے کہتی اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

جو ہو سکے تنہائیوں میں پڑھ لینا
تمہارے لیے دل کی کتاب لایا ہوں
وہ اک سوال جو تم نے کبھی نہیں پوچھا
سجا کے پلکوں پہ اس کا جواب لایا ہوں

رات کو نکاح کی خوشی میں پانچ ستاروں والے
ہوٹل ... میں تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔
اس ہوٹل کی بیرونی ساخت بالکل ایسے ہی جیسے کسی
... تھی۔ سمندر کے کنارے بنے اس ہوٹل کا بلو
اور پرپل رنگ تیز روشنیوں میں دور دور سے چمکتا
نظر آرہا تھا۔ چیدہ چیدہ خاندانی افراد مدعو کیے گئے
تھے۔ ... سے بنے ہال میں خواتین کے لیے
الگ انتظام جب کہ مردوں کے لیے کھلی جگہ منتخب
کی گئی تھی۔ وہ پہلے ہی وہ گھر ...
موجود بے شمار لڑکیوں نے اسے ...
تھا۔ یہ بھی شکر تھا کہ وہ سب انگلش ...
عربی میں ہی گفتگو کیے جارہی تھیں ...
کے بے شمار سوالات سے بچ گئی ...
میں چینڈ منٹ کو ہر کسی نے ...
سے دیکھا تھا۔ اور معنی خیز ...
تبصرے بھی کیے تھے۔ ...
بزرگ خواتین مختلف کاموں میں ...
اسے ڈیڈی سے بات کرنے کی ...
اتنے مہمانوں کی موجودگی میں یہ ...
تھا۔ ایک بار زارا انتہائی غضب ...
موبائل پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش ...
شاید انہوں نے اس نمبر کو ختم کردیا تھا ...
کرنے کے بعد، وہ تھک کر بیٹھ ...
تھی۔ ارادہ تھا کہ ان سے نیا نمبر ...
وہاں آساد اور بے شمار دوسرے لوگوں ...
الٹے قدموں واپس لوٹ گئی تھی ...
شوخی وے پاکی آساد کی نگاہوں میں ...
بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں ...
واپس آکر کتنی ہی دیر اسے ذہن ...
جھنجھکتی رہی۔ شام کو حبا نے پاکستانی ...
اس کے سامنے رکھتے ہوئے بتایا ...
نے ضرار اور آساد کی عروسی (...)
لباس تیار کرائے تھے۔
"لالا (نہیں)" لڑکیں ...
"سعودی لباس پہنایا تھا جب ...
"رخصتی کے موقع پر پہنایا ...
سوٹ مناسب رہے گا۔" ...
لڑکیوں کو عربی میں سمجھاری تھی ...
سے وہ انگلش میں پیچھے پیچھے ...

"آخویا آساد تم سے ملنے کے لیے بہت بے
چین ہیں۔" وہ شرارتی انداز سے اس کی پیشانی چوم
کر بولی۔ "لیکن اتنے لوگوں کی موجودگی کی وجہ
سے مجبور ہے دل تھامے بیٹھے ہیں۔ اب کرنا جان
پڑی بات کرو۔ بے چاروں کو کچھ تسلی ہوجائے گی۔"
وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے ناگواری کی لہریں سی
دل میں دوڑتی محسوس کرنے لگی۔
اس کا بس چلتا تو یہ تقریب ہی رکوا دیتی۔ ڈیڈی
وہاں نجانے کن دشواریوں اور مسائل میں الجھے تھے
اور یہاں مسرتوں بھری تقریب منائی جا رہی تھیں۔
جب اس نے یہی بات امی زینب اور ممی خدیجہ کو
سمجھانے کی کوشش کی تو وہ دونوں اسے ہی یقین
دلانے لگیں۔
"یہ بہت ضروری ہے عزیزتی (میری پیاری)
تمہارے نکاح کا ایک زمانہ گواہ ہونا چاہیے۔ ویسے
تقریب بہت اعلیٰ پیمانے پر نہیں کی جارہی۔ ہر گھر
کے منتخب افراد کو ہی دعوت دی گئی ہے۔ اصلی اور بڑی
پارٹی تمہاری رخصتی کے سلسلے میں ان شاءاللہ تب دیں
گے جب فہد واپس آجائیں گے۔ عالیہ نے دھمکی
دی ہے تمہارے ڈیڈی کو، کہ وہ تمہیں ہر حال میں
چھین کر واپس لے جائے گی۔ کیسے اور کیونکر وہ یہ کام
کرے گی ہم سب اس سے انجان ہیں۔ بہرحال
ہمیں بھی کچھ کرنے دو، تاکہ کچھ ہم بھی بھاری
رہیں۔" پھر نیا لباس پہنتے ہوئے، ہیئر اسٹائل نیا
بنواتے ہوئے، بیوٹیشن سے میک اپ کراتے
ہوئے وہ مسلسل ماں کے متعلق سوچتی رہی۔ آخر وہ
کیوں کرائے یہاں سے لے جاسکتی ہیں؟ انہیں کم
از کم ایک بار تو سارا سے بات کرنی چاہیے۔ وہ اتنا
تو ضرور پوچھے گی کہ اب وہ اس کی ضرورت اتنا
کیوں کر محسوس کر رہی ہیں۔ پھر یہ خیال اتنا زور پکڑ
گیا کہ وہ خود ہی ان سے گفتگو کرنے کے لیے بے

غزل

پروفیسر مظفر حنفی، نئی دہلی

سکوت کی جھیل میں تمہارا خیال بھی تیرنے لگا ہے
برائے تکمیل شعر لفظوں کا جال بھی تیرنے لگا ہے
یہ خوف تھا ... تیری ...
غریق رحمت ہوا جو ہنسی تو جال بھی تیرنے لگا ہے
بہت گھٹا ٹوپ تھا اندھیرا مگر خیال آگیا جو تیرا
تو ہر پیالے پہ ایک چاندی کا تھال بھی تیرنے لگا ہے
سکون کی برف توڑ دی ہے تو پھر دھڑکنے لگی رگ جاں
خوشی کی اک موج بھی اٹھی ہے ملال بھی تیرنے لگا ہے
سپاٹ لہجے کو اس کی ندرت نے دل کشی بخش دی مظفر
شراب کی لہر چھو کے شیشے کا بال بھی تیرنے لگا ہے

تاب ہوگئی۔ اپنے موبائل پر بات نہ کرکے اس نے
کسی سعودی لڑکی کے موبائل پر آخر کار ان کا نمبر ملا لیا
تھا۔ ڈیڈی کی ہدایت بہر حال اس نے یاد رکھی تھی کہ
فی الحال ماں کو اپنا نمبر نہ دیا جائے۔
"بکواس کر رہا ہے تمہارا باپ اور تمہارے
ددھیال والے۔" ماں اس کے سوال کو سنتے ہی پھٹ
پڑیں۔ "اس کے دل میں ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ
تمہیں اپنے کسی نالائق اور واہیات سے بھتیجے کو بخش
دے۔ اب اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر وہ
اپنی دیرینہ خواہش پوری کر رہا ہے۔ اور تم زمانے بھر
کی احمق ہمیشہ کی طرح اس کی باتوں پر آنکھیں بند کر
کے یقین کر رہی ہو۔ کس سے منسوب کرنے کا
پروگرام بنایا ہے آساد یا حمزہ سے؟"
سارا کے مساموں نے ڈھیروں پسینہ یکدم باہر
پھینکا تھا۔ کیسے بتاتی کہ وہ ایسا صرف سوچ نہیں
رہے تھے بلکہ اس پر عمل درآمد بھی کر چکے تھے۔

"تمہارا باپ سخت خود غرض آدمی ہے۔ وہ زندگی میں کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ صرف اپنا مفاد اور فلاح کو مدِ نظر رکھتا ہے۔ مجھ سے اور تم سے اس طرح ایک وقت دیکھا چھڑا رہا ہے۔ تاکہ تادیہ عزیز کے ساتھ زندگی پرسکون گزر سکے۔"

"لیکن جب آپ لبان سے میرا تعلق جوڑ رہی تھیں تو بھی میرا پیچھا ان سے چھوٹ رہا تھا۔" سمارا حیران پریشان سی ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"مگر اس صورت میں مجھ سے تعلق توڑنا آسان نہ ہوتا۔" مام نے اسے پھر جھڑک دیا۔ "عقل استعمال کرو۔"

پھر موبائل واپس کرنے سے ہوٹل میں داخل ہونے تک وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی ساری عقل و فراست کا استعمال کر چکی تھی اور نتیجے میں ڈھیروں سناٹے اس کے دماغ کے گنبد میں گونجنے لگے۔

ہوٹل میں اس کے لیے ایک الگ میز آراستہ کی گئی تھی جہاں تمام خاندان کی خواتین باری باری اس سے ملنے اور مبارکباد دینے آ رہی تھیں مگر وہ تو مسکرانا تک بھول گئی تھی۔ ڈیڈی اور مام دونوں آپسی جنگ میں اسے رگید رہے تھے۔ دونوں اپنے اپنے مفاد کے لیے لڑ رہے تھے لیکن دعویٰ کر رہے تھے اس کے مستقبل کو درخشاں بنانے کا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لق و دق صحرا میں بیٹھی رہ گئی ہو۔ سارا کارواں اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہو۔ دھول اور ریت کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔ سب نجانے کیا باتیں کر رہے تھے۔ وہ تو آنکھوں میں ویرانیاں بھرے گم صم بیٹھی تھی۔ پھر کھانا لگا دیا گیا۔ بوفے سسٹم تھا۔ سب اپنی مرضی کا کھانا نکال کر مختلف میزوں کے اطراف دوبارہ بیٹھ گئے تھے۔ سمارا کو لے جا کر ایک کنارے نسبتاً آراستہ سی میز پر بٹھا دیا گیا۔ "اب تم یہاں بیٹھ کر سکون سے کھانا کھاؤ۔ ہماری ڈیوٹی ختم۔ کیونکہ میزبانی کے فرائض انجام دیں گے اخو یا آساد۔" حنان اور عکاز اس سے سرگوشی کرتی چھیڑتیں واپس محفل کی جانب چلی گئیں۔

آخر اب وہ کیا کرے؟ ڈیڈی سے لڑے یا مام کا دماغ درست کرے۔ مام لبان کے حوالے سے ہمیشہ ڈیڈی کو اپنے کنٹرول میں کرنا چاہ رہی تھیں اور ڈیڈی اسے اپنے بھتیجے کے سر ڈال کر خود تادیہ عزیز کے ساتھ عیش کی زندگی گزارنے کے حق میں تھے۔ مام کی فطرت سے تو وہ واقف تھی لیکن ڈیڈی کی زندگی میں تادیہ عزیز کب سے اتنی اہم ہو گئی کہ انہوں نے اپنی اکلوتی، لاڈلی بیٹی کو کک مار کر اپنے سے دور کر دیا۔ اس نے اچانک بڑی شدت سے اپنے دل میں درد سا ہوتا محسوس کیا۔ ڈیڈی کو اس نے ہر رشتے سے زیادہ اہم مانا تھا اپنے ہر جذبے پر ان کی محبت کو فوقیت دی تھی اور اب وہ تادیہ عزیز کی خاطر اس کے ساتھ آخر کس قسم کا سلوک کر رہے تھے؟

"السلام علیکم! یہ تیسری بار سلام کر رہا ہوں اور مشکل یہ ہے کہ اتنی بڑی گیدرنگ میں کسی اور انداز سے اپنی موجودگی کا احساس بھی نہیں کرایا جا سکتا۔" آساد نے قدرے اونچی آواز میں اپنے مخصوص شوخی بھرے لہجے میں کہا تھا۔ تو اس نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح سفید توپ میں بڑی گہری گہری اور تفصیلی نظروں سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

سمارا فلک نے گہرے اور بلیک امتزاج کا شرارہ سوٹ پہن رکھا تھا جس پر سلور اور سفید موتیوں سے بڑا نفیس سا کام کیا گیا تھا۔ سوٹ کا اوپری حصہ بلاؤز نما تھا۔ جس سے اس کی صراحی دار گردن اور نازک سی کمر بڑی فراخدلی سے نظر آ رہی تھی۔ بلیک گولڈ کا بھاری سا سیٹ اور دو کی چوڑیاں دیکھنے والے کو حیرت زدہ سے کر رہے تھے۔ مہندی لگانے کی جگہ ہاتھوں کو بلیک نگینوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ پھول پتیوں کے درمیان سلور چمک بھری گئی تھی۔ آساد کی نظریں ایک ایک چیز کا کئی کئی بار طواف کرنے کے بعد آخر کار اس کے چہرے پر آ کر رک گئیں۔ بڑا جاندار اور زبردست میک اپ تھا۔ جس نے اس کے چہرے کے نقوش کو ہزار گنا زیادہ جاذب نظر اور کشش انگیز بنا دیا تھا۔

"یہاں موجود ہر خاتون نے کتنی بار میری خوش قسمتی کا اعتراف کیا؟" وہ جذبات سے معمور آواز میں جھکا ہوا اس سے سرگوشی کر رہا تھا جب کہ وہ غائب دماغی سے اس کی شکل یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"یہ آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا ڈیڈی۔ مام کی چالاکی ہضم ہو رہی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ سے یہی کرتی آئی ہیں مگر آپ کب سے ان کے نقشِ قدم پر چلنے لگے۔" اس کے دل کی زمین پر اچانک خون کی بوندیں چھلکنے لگیں۔

"کیا..... کیا اب سب کے درمیان لینگویج پروبلم (زبان کی پریشانی) محسوس کر رہی ہو؟ بس ذرا دیر کی بات ہے۔ الحمدللہ! ہمارے گھر کی خواتین تو انگلش آسانی سے بول اور سمجھ سکتی ہیں۔ اُمی اور اُم شمیلہ (فاطمہ چچی) کو تو جدی نے باقاعدہ انگلش کورسز کرائے تھے تاکہ تمہاری مام عالیہ آنٹی یہاں آ کر اجنبیت محسوس نہ کریں۔ اور گمتی خدیجہ تو آکسفورڈ یونیورسٹی سے گریجویٹ ہیں ان کو تو انگلش کی ویسے ہی کبھی پروبلم نہیں رہی۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ جو مسئلہ تم دوسرے لوگوں کو گفتگو کرتا دیکھ کر محسوس کر رہی ہو، وہ اپنے گھر پر قطعی محسوس نہیں کرو گی۔ یا اگر چاہو تو کل سے میں عربی سکھانے پر معمور ہو جاؤں۔ بلکہ کل سے کیوں، آج رات سے ہی کیوں شروع کر دیں۔" سنجیدگی سے کہتے کہتے اس کے

"نظم"

یاور مظفر پوری

پ پہیلی سنو اور بوجھو کہ کیا ہے
پری حور نہ وہ کوئی اپسرا ہے

ا اسی کے ہے دم سے گھروں میں اجالا
ادب کے چمن میں بھی ہے بول بالا

ک کبھی شوخ چنچل کہانی سنائے
کبھی علم و حکمت کی باتیں بتائے

ی یگانہ ہے سب میں وہ سب سے الگ ہے
یہی تو ادا ہر کسی کو پسند

ز زباں پہ سبھی کی اسی کے ہیں چر
زمانے میں مشہور ہیں اس کے

ہ ہتھیلی پہ رنگ حنا کے ہے
ہزاروں دلوں پر بھی ہے راج

آ آشنا ہے سب کی ہے سب کی ضر
آنکھوں میں سب کی بسی اس کی

ن نگاہوں میں سب کی سمایا
نگینہ جڑا ہو انگوٹھی میں

چ چمک اس کی سب کی نظر میں
چمن میں بھی خوشبو اسی کی

ل لہو ہے وہ آخر "غزالہ"
لگاؤ ہے یاور کو اس

لہجے میں پھر سے شرارت بھرگئی۔
ادھر وہ بدستور ساکت نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"حبیتی! کیا انڈین لڑکیاں اتنی ہی سنگدل ہوتی ہیں؟ مسکرانا درکنار، شرمانا بیکار، بات کرنا ناپسند۔ اس قدر حسین نظر آنے کے بعد کیا وہ محبوب کے صبر کو یونہی آزمایا کرتی ہیں؟ کم از کم مجھے مبارکباد ہی دے دو۔" وہ سمارا کے سامنے رکھی پلیٹ کو سیدھا کرنے لگا۔ اور اس میں کشتی کی شکل میں رکھا نیپکین اس کے سامنے پھیلانے لگا۔

"کس بات کی مبارکباد؟" وہ جیسے ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی۔ پیشانی پر گہری گہری سلوٹیں ایکدم نمودار ہوئی تھیں۔ پہلے ہی محفل میں موجود عورتوں کا مسلسل بولنا۔ گلے لگا کر بوسہ دینا ناگوار گذر رہا تھا اوپر سے اب یہ آگیا تھا دماغ کھانے کے لیے۔

"اتنی حسین ترین ہم سفر کے ملنے پر۔" وہ اس کے گلابی عارضوں کو ہلکے سے انگلی سے چھونے کی گستاخی کرگیا۔

"کیوں؟ اتنے لوگ جو مبارکباد دے رہے ہیں تو دل نہیں بھرا اب تک۔" غم و غصے سے بھرا دل آساد پر ہی حملہ آور ہوگیا۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ "نہیں! کہاں بھرا دل۔ تمہاری مبارکباد کے بغیر تو بھر ہی نہیں سکتا۔" وہ اسے ایک ایک ڈش اٹھا کر پیش کرنے لگا۔ "یہ انڈین ڈشز خصوصی طور پر تمہارے لیے تیار کرائی گئی ہیں مگر سوری! انہیں کھانے میں، میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ تمہارے کھانوں میں مرچوں کے مقدار کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے اور ہم سعودی مرچیں بالکل نہیں کھا سکتے۔"

"جب انڈین لڑکی سے شادی کی ہے تو انہیں کھانے سے کیسے اعتراض کرسکتے ہو۔" وہ بدستور ناراض لہجے سے کہہ رہی تھی۔

"اوکے! نو پرابلم۔ یہ بھی
اپنے ہاتھوں سے کھلانے کا
کی تیز چمکتی نظریں اور
چہرے سے چمٹیں
کم از کم باتوں میں وہ اس
سکتی تھی۔ یہ محسوس کرتے ہی
عافیت محسوس کی کہ وہ خاموشی اختیار
"تم اتنی ہی خاموش رہتی ہو
کے لیے یہ انداز اپنائے ہیں؟"
شاہ کا روزہ رکھے، کھانے میں
سے اسے بولنے پر اکسانے لگا۔
"میں بور کمپنی میں چپ رہتی
گئی۔
"بور کمپنی اور میری! ہا... ہا..."
دیا۔ "میرے مزاج پر بہت کم وقت
ریسرچ کرلی۔ اچھی بیوی کی نشانی

☆☆☆

تمہیں جو چھولوں تو ہاتھوں سے خوشبو
تمہیں جو دیکھوں تو ہو جائیں خوب

صبح تیز بجتے انٹرکام نے اسے اٹھایا
وال کلوک صبح کے آٹھ بجے کا اعلان
رات بہت دیر سے مہمان رخصت
اسے رات گئے بستر پر آکر لیٹنا نصیب
"یس!" وہ سرہانے لگے ریسیور
ہوئے بولی۔
"نیچے ناشتے کے لیے آجاؤ، آ
ہے۔" دوسری طرف حجابہ تھیں۔
"تھکاوٹ سی محسوس ہو رہی ہے
نکلنے کو قطعی دل نہیں چاہ رہا۔" "صبح
شکل دیکھنے کے لیے قطعی راضی نہ تھی۔
"نو پروبلم! میں اوپر تمہارے بیڈروم

کے لیے راضی ہوں۔ یہاں تو حجابہ نے ہی ضد کی تھی ورنہ میں تو سیدھا اوپر ہی آرہا تھا۔" وہ جھٹ پیچھے سے بولا تھا۔

سمارا نے ہڑبڑا کر فوراً بستر چھوڑ دیا۔ "میں آرہی ہوں نیچے۔" گھبرا کر کہتے ہوئے اس نے حمام کی سمت دوڑ لگائی تھی۔ اسکائی بلو سوٹ پہنتے ہوئے اس نے جلدی جلدی شانوں تک سیٹ بالوں کو برش کیا تھا اور سیڑھیوں سے نیچے پہلے ہی قدم رکھا، وہ اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر آگے بڑھ کر آخری سیڑھی سے اس کا ہاتھ یوں تھام لیا جیسے وہ مس ورلڈ کے مقابلہ حسن میں شرکت کی غرض سے آنے والی امیدوار ہو۔

"ناشتہ لگنے میں ابھی تھوڑی دیر ہے۔ تب تک آؤ ذرا باہر ہو آئیں۔"

ناشتے میں اگر وقت تھا تو اسے اس طرح ایمرجنسی میں کیوں کال کیا گیا؟ وہ جز بز ہوتی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

باہر سورج راجا نہایت زور و شور سے اپنے رتھ پر سوار ہوکر نکل رہے تھے۔ اگست کا مہینہ حالانکہ ختم پر تھا مگر موسم ان دنوں بھی خاصہ گرم اور پرتپش تھا۔ اکثر بادل آسمان پر نظر آجاتے تھے لیکن ہمیشہ تیزی سے بھاگتے ہوئے نجانے کہاں جاکر یہ قیام پذیر ہوتے تھے۔ سمندر کے نزدیک ہونے کی وجہ سے شامیں کافی ٹھنڈی اور پرسکون ہوتی تھیں۔ وہ دونوں ہار سنگھار کے درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

"تمہارے بال کس قدر نرم و ملائم اور گھنے ہیں۔" وہ بے ساختہ تعریف کرتے ہوئے انہیں چھوگیا۔

"کچھ زیادہ ہی گھنے ہیں۔ ہر ہفتے سیٹنگ کرانی پڑتی ہے ورنہ لمبے ہوجاتے ہیں۔" وہ اس کی تعریف کا ذرا سا بھی اثر لیے بغیر عام سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تو پھر انہیں سیٹ کرانا بند کردو۔ لمبے بال تو

حدیث میں آیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں (جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے ویسا ہوتا ہوں) اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے چنانچہ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنی تنہائی میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں (فرشتوں کے مجمع میں) اس کا ذکر کرتا ہوں۔"

میری سب سے بڑی کمزوری ہیں۔" وہ آنکھوں میں ہزاروں دیپ جلائے اشتیاق سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں! مجھے ایسا کرنا پسند نہیں۔" وہ ہار سنگھار سے گرتے سفید اور پنک پھولوں کو دیکھنے میں محو تھی۔

"عیونی! وہ چین پینڈینٹ جو کل میں نے پہنایا تھا، کہاں رکھ دیا۔" وہ ایک بار پھر اسے غور سے دیکھنے میں مصروف ہوگیا تھا۔

"کل بے حد بھاری زیورات پہنائے گئے تھے، تو اسی لیے اتار دیا تھا۔" وہ لاپروائی سے بولی تھی۔

"نو پلیز! اسے فوراً پہنو۔ وہ مجھے ہر دم تمہارے گلے میں نظر آنا چاہیے۔ چلو ایسا کرو، مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے تمہارے کمرے میں کس جگہ رکھا ہے؟ میں ابھی نکال کر لاتا ہوں اور تمہیں پھر سے پہناتا ہوں۔" وہ بضد ہی ہوگیا تھا تو سمارا پر جھنجھلاہٹ کا دورہ سا پڑا تھا۔

"کیا مصیبت ہے آساد؟ ہر بات کے پیچھے مت پڑا کرو۔ پہن لوں گی کہہ دیا نا۔" اس کا انداز کچھ اتنا قطعی، حتمی اور بیزار کن تھا کہ وہ لمحہ بھر کے

لیے سنجیدہ سا ہو کر، اسے ٹھٹک کر دیکھنے لگا۔ وہ اس کی جانچتی ہوئی نظروں سے بچتی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر وہ جس قدر دیوانگی کا مظاہرہ کرتا گیا۔ وہ اسی قدر اس سے دور بھاگنے لگی۔ دماغ میں الجھنوں اور شک وشبہ کے ہزار مکڑی جیسے جالے بن گئے تھے۔ وہ ایک جالے کو صاف کرتی، تو دوسرے کئی جالے بن کر تیار کھڑے ہوتے۔ ان جالوں کے شکنجے میں وہ یوں پھنس گئی تھی کہ آساد کی محبت نظر ہی نہیں آتی تھی۔ یا پھر وہ اسے سننے کی، دیکھنے کی محسوس کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتی تھی ورنہ شاید یہی محبت اجالے کی کرن بن کر منزل کا راستہ دکھا دیتی۔

ڈیڈی اور مام کے منصوبوں کو ناکام کرنے کی فکر اسے ہر دم نڈھال رکھتی۔ مام کے ابان شکیل کو تو وہ چھوڑ ہی آئی تھی۔ ڈیڈی کی بھی آساد والی سازش کو وہ کامیاب نہ ہونے دے گی۔ جیسے ہی ڈیڈی تمام معاملات درست کر کے جدہ آئیں گے وہ ان کے چہیتے بھتیجے سے دوری اختیار کر لے گی۔ پھر وہ کسی اور ملک میں چلی جائے گی۔ کوئی واسطہ نہیں رکھنا دونوں سے۔ مارے خفگی کے اب اس نے ڈیڈی سے فون پر بات نہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اب جب کہ وہ کھل کر سامنے آ ہی گئے ہیں تو مزید مکر وفریب کی باتیں نہیں سننا۔ مام اپنے بھائی بھتیجوں کے ساتھ مگن رہیں گی اور ڈیڈی اپنی تادیبہ عزیز کے ساتھ۔ اس فیصلے کے ساتھ جہاں اسے یک گونہ سکون ہوا تھا۔ وہاں اپنی تنہائی کا شدت سے احساس بھی ہوا تھا۔

گھر میں سبھی روزمرہ کے کاموں میں مگن تھے۔

صبح آٹھ بجے کاملہ اور حنان کالج نہانے کے لیے نکل جاتی تھیں پھر ان کی واپسی تین چار بجے تک ہوتی تھی۔ اکثر وہ دونوں رات میں ہی شکل دکھاتی تھیں۔ شمیلہ کی تو ہوسپٹل کی ڈیوٹی صبح سات بجے سے ہی شروع ہو جاتی تھی۔ ضرار نو بجتے بجتے اپنے بیٹے کو اسکول چھوڑنے کے بعد آفس جاتا تھا۔ مریم کو بارہ بجے تک سونے کی عادت تھی۔ ہفتے میں دو ایک بار ہی اس کی صورت نظر آتی تھی یا پھر جب وہ خود ہی عمتی خدیجہ کے گھر ٹہلتی ٹہلتی شام کو چلی جاتی تو مریم ایک دو باتیں کر لیتی تھی۔ ابو یا احمد غامدی کا کاروں کا شوروم تھا۔ وہ صبح نو بجے نکل کر کافی رات گئے گھر آتے تھے۔ عمو محمد غامدی بے حد مصروف آدمی تھے انکا شوپنگ سینٹر آدھی آدھی رات تک کھلا رہتا تھا۔ اخویا ضرار اور عمو دونوں مل کر باری باری اسے سنبھالتے تھے۔ جدی کو اس عمر میں بھی خالی بیٹھنا یا بیٹوں پر منحصر رہنا پسند نہ تھا۔ انکا اپنا کاروبار تھا جو کافی دنوں میں جا کر سارا کی سمجھ میں آیا۔ سعودیوں میں 'سجل التجاری' نامی سرکاری شعبہ ہوتا ہے جس کے ذریعے معزز سعودی لوگوں کو باہر ملکوں سے کچھ افراد کو بلانے کی اجازت ہوتی ہے۔ گورنمنٹ اس کے بدلے ان سعودیوں سے سال کے سال اچھی خاصی رقوم وصول کرتی ہے۔ ادھر وہ سعودی 'کفیل' بن کر جن لوگوں کی کفالت کرتا ہے۔ ان سے مہینے یا سال کے حساب سے پیسہ حاصل کرتا ہے۔ اس طرح یہ بزنس کم محنت کے باوجود بڑی آسانی سے چلتا ہے۔ جدی نے سو لوگوں کی کفالت کا لائسنس لے رکھا تھا۔ انہوں نے ولا کے ایک طرف ان سبھی کاموں کے لیے آفس سا بنا رکھا تھا۔ دن کے بیشتر حصے میں وہ انہیں کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ باقی وقت جو بچتا تھا وہ اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ان سب کے عبادت کرنے کے انداز سے بھی وہ بے حد متاثر ہوئی تھی۔ گھر کا بچہ بچہ پنج وقت کا نمازی تھا۔ جمعرات اور جمعہ کو اکثر لوگ روزے سے نظر آتے۔ تھوڑا سا وقت ملتے ہی وہ لوگ مکے جا کر طواف کرنے لگ جاتے، حبابہ، اُمی، عمتی زیادہ تر گھر

کے کاموں میں مصروف رہتیں تھیں یا نماز، روزے اور درس کے کاموں میں مصروف نظر آتیں۔ سارا کے لیے یہ ایک بالکل مختلف ماحول تھا۔ وہ اڑی اڑی پھرنے والی، دوستوں کے ساتھ تفریح کے پروگرام بنانے والی۔ اچانک اس نے شدت سے تنہائی اور بوریت محسوس کرنی شروع کر دی۔

اُمی زینب سے شکایت لے کر بیٹھی تو بڑے مخلصانہ انداز میں مشورہ دینے لگیں۔

"آساد کے ساتھ گھوم پھر آؤ۔ ابھی تم نے جدہ ہی پوری طور پر نہیں دیکھا۔ ورنہ نزدیک کے ہل اسٹیشن طائف۔ ابھا دیکھ آؤ۔"

"آساد کہاں فری ہیں۔" وہ صاف پہلو بچا گئی۔ "صبح آٹھ بجے بینک جا کر تین بجے تو واپسی ہوتی ہے اور پانچ بجے سے دوسری شفٹ لگ جاتی ہے۔ میں حمزہ یا حماد کو لے جاؤں۔"

"میں اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔" اُمی خدامہ سے ویکیوم (قالین صاف کرنے کی مشین) کرا رہی تھیں۔

"یہاں عورت غیر محرم کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی۔ صرف باپ، بھائی یا شوہر کے ساتھ ہی باہر نکل سکتی ہے۔ ورنہ کہیں جگہ جگہ ہو رہی چیکنگ کی زد میں آ گئیں تو مشکل ہو گی۔ ویسے آساد کی جمعرات اور جمعہ کی چھٹی ہوتی ہے اور رات کو آٹھ بجے کے بعد بھی اگر تم چاہو گی تو وہ سر کے بل جانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔"

"تو کیا میری صورت پر لکھا ہے کہ میرا نکاح آساد کے ساتھ ہو چکا ہے۔ جو میں صرف اسی کے ساتھ جانے پر مجبور ہوں۔" وہ خواہ مخواہ خفا سی ہونے لگی۔

"تمہارا اقامہ (کام کرنے اور رہنے کا اجازت نامہ) بن کر آ گیا ہے نا۔ جس میں تمہارا نام آساد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ایک نیکی کے لیے بھی ظلم نہ کرے گا۔ اس کا بدلہ دنیا میں دے گا اور آخرت میں بھی دے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آخرت ہو گی تو اس کے پاس کوئی نیکی نہ رہے گی جس کا اسے بدلہ دیا جائے گا۔"

(مسلم)

کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے۔ وہ تمہارا خاوند ہے بیٹا۔ یہ رخصتی کا جھنجھٹ بھی فہد کی وجہ سے رکھ دیا گیا ہے تاکہ اپنی اکلوتی بیٹی کی ایک خوشی تو وہ بھی دیکھ لے۔ ورنہ آساد تو بضد تھا کہ یہ کام بھی ساتھ ساتھ کر دیا جائے۔" وہ ٹھنڈے انداز میں اس کے رخسار تھپتھپاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم آج دوپہر کا کھانا کھا کر ہی جانا۔ میں 'مندی' (ایک سعودی ڈش، جسمیں چاول پکا کر، اس کے اوپر گرل میں بھونا چکن لگا کر دم دیا جاتا ہے) بنا رہی ہوں۔ تم کو یقیناً بہت پسند آئے گی۔" ان کے انداز میں اس کے لیے ہمیشہ والا پیار اور محبت تھی۔

"حمزہ اور حماد کب تک آئیں گے؟" وہ ان کے اس قدر محبت بھرے سلوک سے کچھ شرمندہ سی ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

آساد کے مقابلے میں اسے ان دونوں کی کمپنی زیادہ پسند آتی تھی۔ دونوں اس کا از حد احترام کرتے تھے۔ جب دونوں بے حد محبت سے استیتہ (بڑی

بہن) کہتے تو اس کے دل میں خوشیوں کے بے شمار پھول کھل جاتے۔ ساری زندگی چھوٹے بھائیوں کی خواہش دل میں چٹکیاں لیتی رہی تھی اب اللہ تعالیٰ نے ایک ساتھ دو۔ دو بھائی دے دیے تھے۔ تو وہ ان کی محبت کو کھلے دل سے انجوائے کر رہی تھی۔ حماد نے صرف سمارا کی وجہ سے مزید کچھ اور چھٹیاں لے لی تھیں اور حمزہ بھی اکثر اسی کی وجہ سے بھاگ کر جلدی گھر آجاتا تھا۔ دونوں نے حنان اور کاملہ کے بارے میں بھی چپکے سے سمارا کو سب بتا دیا تھا۔

"وہ دونوں تمہاری منگیتر ہیں۔ مگر نہ تم سے بات کرتی ہیں اور نہ لفٹ مارتی ہیں۔ بھائیوں ذرا ہمت سے آگے بڑھو۔ ساتھ گھومو پھرو۔" وہ انہیں چڑھا دیا کرتی۔

"اکیلے ساتھ جانے کا تو سوال ہی نہیں۔" حمزہ لمبا سا منہ لٹکا کر بولا۔ "سب کے ساتھ جاؤ تو کیا گفتگو کی جا سکتی ہے؟"

"کیوں؟ یہ تمہارا اخویا کے ساتھ تو ہر کوئی مجھے دھکا دے کر بھیجنے کی کوشش کرتا ہے۔ تمہارے ساتھ یہ سختی کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"ارے! وہ تو خوش قسمت ہیں۔ نکاح جو ہو گیا آپ سے۔ اس لیے اب کوئی بندش نہیں ہے پابندی تو اب کوئی لگا ہی نہیں سکتا۔ منگنی وغیرہ کے بعد ساتھ جانے کی اجازت نہیں ملتی۔" حماد بھی گفتگو میں کود پڑا۔

"چلو پھر سب مل کر جانے کا پروگرام بناتے ہیں۔ ویک اینڈ بھی آ رہا ہے۔ وہیں کہیں موقع سے بات کر لینا۔" پھر وہ جب ان سب کے ساتھ ہنستی کھلکھلاتی 'مندی' کھا رہی تھی تو اپنے روٹین سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی آساد نے گھر میں قدم رکھ دیا۔ اسے اس قدر سب میں گھلا ملا اور کھلا کھلا سا دیکھ کر وہ حیرت زدہ سا رکا رہ گیا۔

"آپ نے جرنلزم کیا ہے۔ خالی وقت میں اگر بور ہو رہی ہوں تو کوئی اخبار ہی جوائن کر لیں۔" حم... مشورہ دے رہا تھا۔ ابھی سب کی نظر آساد پر نہیں پڑی تھی۔

"اس کے علاوہ عربی زبان، جو دنیا کی سب سے پیاری زبان ہے، سیکھنا شروع کریں۔ کوئی بھی سینٹر جوائن کر لیں۔ تو دو تین مہینے میں وہ لوگ ایکسپرٹ کر دیں گے۔ پھر اخویا آساد جو اپنے ... جذبات انگلش میں نہیں سمجھا پا رہے ہیں، وہ ... مادری زبان عربی میں یقیناً سمجھا دیں گے۔" ... شرارتی انداز میں ہنستا تھا۔

"ابھی تو یہ حال ہے کہ 'حبیبتی' اور 'عیونی' ... مطلب بھی بچارے اخویا (بھائی) کو سمجھانا ... ہے۔" دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار ... ہنسے تھے۔

"شٹ اپ! مطلب تو خیر آج تک ... سمجھایا۔ میں نے پوچھا ہی نہیں۔ ویسے واقعی ... معنی ہیں ان الفاظ کے۔ جب دیکھو بولتے ر... ہیں۔" وہ دونوں کھانا چھوڑ کر پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگ... آساد نے آگے بڑھ کر سخت شرمندہ ہو کر اس... ہاتھ تھام لیا۔ ان دونوں شیطانوں سے کیوں ... رہی ہو۔ چلو اوپر میرے ساتھ، میں سمجھاتا ہوں ... تمہیں اس کا مطلب۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ... پکڑے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ادھر ان دو... نے آساد کو دیکھتے ہی باہر کی سمت دوڑ لگا دی تھی۔

وہ ہینڈ بیگ رکھ کر پلٹا تھا اور اسے اچانک ... اپنے نزدیک کر لیا تھا۔ "حبیبتی کا مطلب ہوتا ... لولی (Lovely) اور عیونی کا مطلب ہوتا ہے ... آنکھیں روشنی سے بھرپور۔" کہتے کہتے بے ... مہر محبت وہ اس کے لبوں پر ثبت کر گیا تھا۔

ایک لمحہ کے لیے وہ صورت حال کو سمجھ ہی ن...

پائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے سخت قسم کی ہیجانی کیفیت اس پر طاری ہوئی تھی۔ پاگلوں کی طرح، وحشت زدہ سی ہو کر اس نے اپنے آپ کو چھڑایا تھا۔ دھونکنی کی طرح چلتے سانس کے دوران ہی اس نے لبوں کو یوں رگڑا تھا جیسے وہ ناپاک ہو گئے ہوں۔ پھر آگ اگلتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے یوں پھنکاری تھی جیسے اسے بھسم کر دینے کا ارادہ ہو۔

"تم واہیات آدمی! تمہاری اتنی مجال، اتنی ہمت! میں ایک سیکنڈ میں یہ گھر چھوڑ دوں گی۔ تم میرے لیے پہلے ہی ناپسندیدہ شخصیت تھے اب تو ناقابلِ برداشت ہو گئے ہو۔" وہ دھمکیاں دیتی تیزی سے پلٹی تھی اور کمرے سے نکل گئی تھی۔

باہر ریت کا طوفان آیا ہوا تھا۔ ہر طرف ریت ہی ریت آساد کو لگا جیسے تیز جھکڑ اس کی زندگی میں بھی دندناتے گھس آئے ہوں۔ نجانے کتنی دیر تک کھڑا وہ ہونٹ کاٹتا رہا۔

☆☆☆

اپنے حالات تو ہر حال میں سلجھاتا رہا
دیکھنا یہ ہے تیری زلف میں ہے خم کتنا

"آج دوسرا دن ہے ہماری بچی کی طبیعت خراب ہوئے، چہرہ دیکھو کیسا زرد ہو رہا ہے۔" ہمیشہ کی طرح جدی نماز سے فارغ ہو کر سیدھے سمارا کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ اور اس پر دم کرنے لگے تھے۔

"تھوڑا دودھ پی لو بیٹا! کمزوری رفع ہو جائے گی۔" فکرمندی حبا بڑے لیے چلی آئیں۔

حنان اور کاملہ دن میں کئی کئی چکر لگاتی تھیں۔ امی اور عمتی خدیجہ اور عمتی فاطمہ بھی کئی بار آ چکی تھیں یہاں تک کہ سارے جہاں سے الگ تھلگ اور مصروف ترین ہستی شمیلہ بھی ایک بار خیریت معلوم کرنے آئی تھی۔ حالانکہ اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ بس جانچتی اور تفتیشی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ سمارا آساد کی اس دن والی حرکت سے اتنی خفا ہوئی تھی کہ سارے جہاں سے ناراض ہو کر کمرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی تھی۔ مگر سب سے دور جانے کی حرکت بچکانہ ہی ثابت ہوئی تھی کیونکہ شام ہوتے ہوتے جب سب اس کی غیر موجودگی کو محسوس کر کے اس کے اطراف جمع ہو گئے تو اسے جھوٹ موٹ کی بیماری کا بہانہ کرنا پڑا۔

"پیٹ اپ سیٹ ہے۔ دوپہر سے درد ہوئے جا رہا ہے۔ ہلکا سا بخار بھی لگ رہا ہے۔ مندی کھا کر آئی تھی۔ لگ رہا ہے ہضم نہیں ہوئی۔" امی زینب سخت فکرمند تھیں۔ جدی فیملی ڈاکٹر کو دکھا کر بھی

نعت

افتخار اجمل شاہین

ان کا ہی ذکر لب پہ مرے صبح و شام ہے
اپنا بھی عاشقانِ محمدؐ میں نام ہے
آقا کی بندگی سے بلندی ہوئی عطا
ان کا غلام جو ہے وہ عالی مقام ہے
حق ہیں وہ حق نما، وہ خدا کے حبیب ہیں
ان کا پیام کیا ہے خدا کا پیام ہے
کیوں رہبری کے واسطے ڈھونڈیں کسی کو ہم
وہ آخری نبیؐ وہی سب کا امام ہے
سب کی نجات ان کے ہی پیغام میں تو ہے
ان کا پیام ارفع و اعلیٰ پیام ہے
شہرِ نبیؐ میں آئے تو محسوس یہ ہوا
کتنی حسین اس کی ہر اک صبح و شام ہے
شاہین لازمی ہے محمدؐ کی پیروی
اسلام پیروی محمدؐ کا نام ہے

مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ عمو محمد سے کہہ کر اسے ہومیو پیتھک کی دوائی بھی کھلا دی تھی۔ عموا کثر فارغ اوقات میں یہ کام کیا کرتے تھے۔

نہیں آیا تو آساد۔ پہلے اور دوسرے دن تو وہ اس کے اچانک آجانے کے خوف میں مبتلا رہی تھی۔ پکا بے غیرت ہے ایک دم اندر داخل ہوگا اور کہہ دے گا کہ بیماری کی مزاج پرسی کے لیے آیا ہوں۔ وہ انجانے میں ہی سہی، لیکن تین دن تک اس کی منتظر رہی۔ ہر آنے والے پر گمان ہوتا کہ شاید وہی چلا آیا ہے۔ پھر چار دن بعد جب خود ہی اپنی بیماری سے تنگ آکر صحت مند ہونے کا اعلان کر رہی تھی تو یہ غصہ ستانے لگا کہ اسے اتنے دن گذرنے پر بھی سمارا کا خیال نہیں آیا تھا۔ کیا تھا اگر ایک بار آکر اپنی حرکت پر شرمندگی ظاہر کر دیتا۔ سوری تو کہہ ہی سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ تھوڑا بہت برا بھلا اور کہہ لیتی۔ ہنس کر نظر انداز نہیں کر سکتا تھا؟ مگر پھر جب ایک ہفتہ گذرنے پر بھی وہ نظر نہ آیا۔ نہ امی کے گھر، نہ عمتی خدیجہ اور فاطمہ کے گھر تو اس نے خود سے فرض کر لیا کہ شاید وہ جدہ شہر سے کہیں باہر گیا ہوا ہے۔

ابو یا احمد ان دنوں لکھنؤ میں تھے۔ حبابہ نے ہی یہ بات سمارا کو بتائی تھی۔ تمہارے جدی نے بھیجا ہے احمد کو، ان دنوں فہد کو کسی بھی لمحے اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اب عالیہ کا خاندان اس کے بزنس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ ہر ہوٹل میں کسی نہ کسی گڑبڑ کی رپورٹ آرہی ہے۔ سمارا نے کسی بھی تبصرے سے گریز کیا تھا۔ ڈیڈی نے جو بویا تھا وہی کاٹ رہے تھے۔ آخر مام خواہ مخواہ تو ان کے پیچھے اس حد تک نہیں پڑ سکتیں کہ کیریئر ہی ختم کرنے پر تل جائیں۔ نہ وہ تادیبہ عزیز کے قصے میں پڑتے اور نہ سمارا کو در بدر کے چکر کاٹنے پڑتے اور نہ اس معمولی شخص آساد سے اس کا نکاح ہوتا۔ آج کل ہر بات پر آئے غصے کی تان آساد پر ہی ٹوٹتی تھی۔

پھر ہر گذرتے دن کے ساتھ اسے اپنی تنہائی جان لیوا محسوس ہونے لگی اور تب اس نے خود کو مصروف کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ جدی سے ذکر کرنے کی دیر تھی انہوں نے اسے ایک مشہور اخبار جوائن کرا دیا۔ ڈیوٹی کا وقت شام چار بجے سے رات آٹھ بجے تک کا تھا۔ اخبار کی طرف سے پک اور ڈراپ کی بھی سہولت تھی۔ کام اس کا پسندیدہ تھا۔ پھر وہاں لوگ عزت بھی بے حد کر رہے تھے۔ جلدی ہی اس کا دل اخبار کے دفتر میں لگ گیا۔

اس دن وہ آفس سے واپس آئی تو سبھی گھر کے افراد باہر لان میں بیٹھے نظر آئے۔ درمیان میں آساد بیٹھا تھا۔ اس کی نظر میں لمحہ بھر کے لیے آساد پر گذریں تو وہیں ٹھٹک کر رک گئیں۔ پہلی بار وہ فارمل پینٹ ڈارک بلو کلر کے سوٹ میں نظر آرہا تھا۔ سر پر غترہ نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے لانبے براؤن بال بکھر کر پیشانی پر آگئے تھے۔ ڈاڑھی مونچھ بڑھے ہوئے شیو کی حد تک محسوس ہو رہی تھی۔

"استیہ! دیکھو اخویا اس ڈریس میں کتنے شاندار لگتے ہیں اصل میں ان کے نیوزی لینڈ والے چند دوست آئے ہیں آج ان کے ساتھ ڈنر پر جانا تھا۔ حماد فوراً ہی اس کے استقبال کے لیے اٹھا تھا۔ اور اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے آساد کی طرف اس کی توجہ مبذول کرانے لگا تھا۔

"کیا آج پہلی بار یہ لباس پہنا ہے؟" وہ بھی دھیمے سے پوچھ رہی تھی۔ انداز میں حیرت کی استعجاب تھا کیونکہ اس سوٹ میں وہ بے حد اسمارٹ اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"نہیں! جب نیوزی لینڈ میں تھے تو یہی پہنا کرتے تھے مگر یہاں آنے کے بعد قومی لباس کو ترجیح دینے لگے ہیں۔"

وہ سب کو سلام کرتی حنان کے نزدیک جا بیٹھی۔ عبایہ اور سر کو ڈھکنے والا اسکارف وہیں بیٹھ کر اتارا تھا۔ اندر اس نے سلٹ والی بلیک اسکرٹ اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ اب بھی لباس کے معاملے میں اپنے پرانے ملبوسات کو ہی فوقیت دیتی تھی جب کہ گھر کی باقی سبھی لڑکیاں، کزن کی موجودگی میں اچھی طرح جسم کو ڈھکنے کے ساتھ سر کو بھی ڈھک لیا کرتی تھیں۔

"لگتا ہے موصوف آج ہی کہیں سے واپس آئے ہیں۔" اس کی نظریں پھر بھٹک کر آساد پر پڑیں تھیں اور یہ دیکھ کر تعجب میں ڈوب گئی تھیں کہ اس نے ایک نظر بھی سمارا پر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اور وہ شمیلہ جس کو اس نے آج تک ڈھنگ سے گفتگو کرتے نہیں سنا تھا۔ وہ آساد سے بغیر رکے، بغیر جھجکے مسلسل نجانے کیا بات چیت کیے جا رہی تھی جسے وہ نہایت توجہ اور دلچسپی سے سن بھی رہا تھا۔

"اخویا آساد تو یہیں تھے، کہیں بھی نہیں گئے۔ تم نے کیوں کر سمجھا کہ وہ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں؟" حنان کہہ رہی تھی مگر وہ اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکی۔ نظریں بار بار آساد کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ آسمان کے سارے ستارے اور کہکشائیں اس کے چہرے پر اس وقت براجمان تھیں۔ نجانے کیوں وہ اتنا خوش تھا؟

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ شمیلہ نے عربی میں عمو سے کچھ کہا تھا۔ اور پھر آساد کے ساتھ نکلی چلی گئی تھی۔

"کیا کہہ کر گئی ہے یہ؟" اس کے انداز میں عجیب سا تجسس تھا۔

"کچھ ضروری شوپنگ اخویا آساد کے ساتھ کرنے کو کہہ رہی تھیں۔ واپسی پر انہیں ڈراپ کرنے کے بعد اخویا اپنے دوستوں کے پاس چلے جائیں گے۔" حنان کہہ رہی تھی۔

"اچھا۔" اس نے عجیب سی بے چینی اپنے اندر محسوس کی۔ پھر دل انتشار اتنا بڑھا کہ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

ابو یا نے لکھنؤ سے جدی کو خبر دی تھی کہ ڈیڈی کا بزنس روز بہ روز زوال کی طرف جا رہا ہے۔ دو چار بار ہوٹلوں میں ہنگامے کرانے کے بعد کوئی خریدار ان ہوٹلوں کی طرف رخ ہی نہیں کرتا۔ عالیہ صدیقی کا پورا خاندان ہاتھ دھو کر فہد کے پیچھے پڑ گیا ہے اور ہر طرح سے بزنس ختم کرانے کے درپے ہے۔ خلع کا معاملہ بدستور درمیان میں اٹکا ہوا ہے۔ عالیہ بضد ہیں اور ڈیڈی روپوش۔ وہ کسی صورت انہیں طلاق دینے کو تیار نہیں۔

تمام گھر والوں کے ساتھ وہ بھی ڈیڈی کے لیے پریشان ہوگئی۔ بے ساختہ ہی جدی سے ان کا نیا نمبر لے کر فون ملایا تھا۔ ان کی فکرمند اور نقاہت سے بھرپور آواز نے اسے اوپر سے نیچے تک لرزا دیا۔

قابل غور

☆ گر جانا بزدلی کی بات نہیں بلکہ گر کر نہ اٹھنا بزدلی ہے۔

☆ کسی شہنشاہ کے تاج سے زیادہ قیمتی موتیوں سے زیادہ چمکدار اور چاندنی رات سے زیادہ پرکشش کوئی چیز ہے تو وہ "وفا" ہے۔

☆ شاعر وہ سپیرا ہے جس کی پٹاری میں سانپوں کی بجائے انسانوں کے دل بند ہوتے ہیں۔

(فرحین ملک۔ بھونڈی)

"دعا کرو بیٹا! صرف دعا۔ اللہ کے گھر کے اتنے نزدیک ہو۔ میری بیٹی دعا کرے گی تبھی میری ساری مشکلات کا خاتمہ ہوگا۔" ڈیڈی کا لہجہ اس پر رقت سی طاری کر گیا۔

"وہ بے شک تادیبہ عزیز کے لیے اس سے اور مام سے دعا فریب کر سکتے تھے مگر وہ مام کی طرح انہیں تباہی کے دہانے پر نہ بھیج سکتی تھی اور نہ جاتا ہوا دیکھ سکتی تھی اس لیے جب حماد نے واپس شکاگو جانے سے پہلے مدینے جانے کا پروگرام بنایا تو وہ بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے بضد ہوگئی۔ یقیناً وہاں کی گئی دعائیں قبولیت کی سیڑھیاں زیادہ تیزی سے چڑھیں گی۔ چونکہ ویک اینڈ آرہا تھا اس لیے دیکھتے دیکھتے سبھی چلنے کے لیے راضی ہوگئے۔

کاروں کا ایک قافلہ تھا۔ جو بدھ کی رات کو دس بجے کے قریب روانہ ہوا۔ سمارا، حبابہ، اور جدی کے ساتھ ان کے مرسیڈیز میں تھی۔ ڈرائیو کرنے کے لیے حمزہ کو لے لیا تھا۔ عمو کی کار ان کے پیچھے تھی۔ اس کے پیچھے اسے آساد کی مٹسوبشی نظر آئی۔ سب سے آخر میں محمتی خدیجہ کی فیملی تھی۔ جدی اگلی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اونگھ گئے۔ حبابہ تسبیح کے دانے گراتے گراتے نجانے کب سو گئیں۔

"استیتہ! (باجی) کیا ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ رات کے بارہ بجے بج رہے ہیں؟ دیکھیے سڑک پر زندگی کتنی متحرک ہے۔" کار کی بے حد آرام دہ اور ملائم سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے اس نے ونڈو کے شیشوں کے آر پار دیکھا۔ فراخ دل سڑکیں، مادرِ عزیز کی طرح بے شمار کاروں کو اپنے سینوں پر رواں دواں رکھے ہوئے تھیں۔ قدم قدم پر اتنی روشنیاں تھیں کہ رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔ سڑک کے بیچوں بیچ ہر تھوڑے فاصلے پر بے شمار چھوٹے چھوٹے ریفلیکٹر تھے جیسے ہی کار کی ہیڈ لائیٹ سے روشنی کے جھماکے ان پر پڑتے، وہ ہزاروں چراغوں کی طرح ایک وقت جل اٹھتے تھے۔ کار ان پر سے گزر کر آگے بڑھ جاتی تو وہ بجھ سے جاتے۔ پلٹ کر دیکھنے کی صورت میں اب وہاں تاریکی پھیلی ہوتی۔

"یہاں اتنی رات میں بھی لوگ کتنے آرام سے سفر کر سکتے ہیں۔ کوئی ڈر نہیں، کسی کا خوف نہیں لاکھوں کروڑوں لے کر اکیلے سفر بھی کر لو، تو کسی کی مجال نہیں کہ ہاتھ بھی لگا لے۔ ایسا کس طرح ہے حمزہ۔"

"درست کہہ رہی ہیں آپ! اس کی وجہ یہاں کے لوگوں کے دل میں خدا کا خوف اور گورنمنٹ کی سخت ترین سزائیں ہیں۔ اگر کوئی گناہ گار رشوت یا کسی سورس کے بل بوتے پر بچ نہیں سکتا سزاؤں پر عمل درآمد تیزی سے ہوتا ہے۔" کہتے کہتے دوسری کاروں کے ساتھ ساتھ وہ سگنل کی ہری ہونے پر کار آگے بڑھانے لگا۔

تقریباً تین گھنٹے لگاتار سفر کرنے کے بعد کاریں آگے پیچھے کسی ہوٹل کے سامنے رکنے لگیں۔ ہوٹل کے سائن بورڈ پر بڑا بڑا نام سیپکو (Septco) چمک رہا تھا۔ بے شمار کاریں وہاں پہلے سے پارک تھیں۔ ہوٹل کے آگے کھلے ہوئے حصے میں خاصی چہل پہل اور رونق تھی۔ آساد کی جیپ سب سے پہلے وہاں رکی تھی۔ حمزہ اس کے پیچھے پیچھے کار پارک کر رہا تھا۔

تبھی اس کی نظر آساد کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی شمیلہ پر پڑی تھی۔ آساد نے نیچے اتر کر پہلے اس کی طرف والا دروازہ کھولا تھا اور پھر پچھلی سیٹ سے ای زینب کو اترنے میں مدد دینے لگا تھا۔

"شمیلہ کیوں اس کے برابر بیٹھی تھی؟" اس کے دل کے آتش دان میں اچانک پہلا شعلہ لپکا تھا۔ پھر حبابہ کو لے کر جب وہ ہوٹل کے اندر جا رہی تھی

وہ دونوں ایک کونے میں کھڑے ہنستے ہوئے چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے پیشانی پر سلوٹیں ڈالتے ہوئے قصداً دونوں کو دیکھنے سے گریز کیا۔ اندر سے ہوٹل کافی کشادہ تھا۔

برابر میں ہی ایک سپر مارکیٹ بھی نظر آرہا تھا۔ جیسے ہی لوگ ضروریات حوائج سے فارغ ہو کر کھلے ہوئے حصے میں کرسیوں پر آکر بیٹھے تو حماد سب کے لیے چائے اور کافی لے آیا۔ ساتھ میں فرنچ فرائس، بسکٹ اور سینڈوچیز بھی تھے۔ وہ حنان اور کاملہ کے پاس جا بیٹھی۔

"اے دنیا والو! کچھ تو کرم کرو۔ اب تو ہمارے جانے میں بس کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔" حماد ان کی ٹیبل پر سامان سرو کرنے آیا تو دزدیدہ نظروں سے کاملہ کو دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانسیں بھری تھیں۔

"اے مجنوں کے بیٹے! اتنی سرد آہیں بھرنا مناسب نہیں۔ کہیں برف کا طوفان نہ آجائے۔" حنان نے پلٹ کر اسے چھیڑا تھا جب کہ کاملہ نظریں نیچے کیے مسکرانے لگی تھی۔

"کچھ تو شرم کرو۔ بابا کی ہونے والی بہو ہو۔ انہیں ایسا نام تو مت دو۔" حماد شرارتی انداز میں حنان کو جواب دیتا وہیں پر جم گیا۔

"میں نے بابا کو کیا کہا ہے؟" حنان گڑبڑا گئی۔

"تو پھر مجنوں کسے کہا ہے؟"

"بس مزے تو اخویا حمزہ کے ہیں۔ ہر دم منگیتر سامنے! ہم غریب تو سال بھر ترستے ہیں۔" حنان نے ترخ کر جواب دیا تھا۔ وہ سن نہ سکی۔ اچانک ہی اس کے دل سے بے شمار تار نکلے تھے اور جا کر آساد اور شمیلہ کے اطراف لپٹ گئے تھے۔ شمیلہ اپنے ہاتھ میں کافی کا کپ لیے واپس جیپ کی فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی تھی آساد کی نظروں نے جدی سے گفتگو کرتے کرتے پہلے دور تک اس کا پیچھا کیا پھر وہ بھی چپکے سے کھسک کر وہیں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

وہ دونوں سب سے الگ تھلگ اندر بیٹھے آخر کیا باتیں کر رہے ہیں؟ تار اس کے دل کو کھینچنے لگے۔ وہاں لے جانے پر مجبور کرنے لگے۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔

شمیلہ کے بارے میں اب اس کی سوچ پہلی والی نہ رہی تھی۔ سیدھی سی، محنتی سی، ذہین، بزرگ خواتین کے درمیان بردباری سے گھریلو امور پر سیر حاصل گفتگو کرتی ہوئی۔

"چیپ! واہیات سی لڑکی!" اس نے غصے کے گھونٹ در گھونٹ چائے کے ساتھ حلق کے نیچے اتاری۔

پھر واپس کار کی طرف آتے ہوئے وہ حنان کو زبردستی اپنے ساتھ لے آئی۔

"سچ میں شدید بور ہو رہی ہوں۔ جدی حمزہ کے ساتھ آگے بیٹھ جائیں گے تم میرے اور حبابہ کے ساتھ پیچھے بیٹھ جانا۔ مزید ڈیڑھ گھنٹے کا سفر باتیں کرتے سے گذرے گا۔"

"یہ کام کیا ہے استیتہ نے بہن ہونے کا۔" حمزہ کی باچھیں کھل گئیں۔ پھر پلٹ کر عربی میں اس نے کچھ سرگوشی حنان سے کی تھی۔ حنان نے کھسیانی سی ہو کر سمارا کے شانے پر ہاتھ مارا تھا۔

"اسی لیے میں آنے سے منع کر رہی تھی۔ حمزہ کو پھیل جانے کی بہت عادت ہے۔"

"اے حمزہ! ذرا سنبھل کر رہنا۔ حبابہ اور جدی ساتھ میں ہیں۔" سمارا ڈپٹ کر بولی تھی۔

"ابھی کار میں آئے کب ہیں وہ لوگ۔ ذرا تو دل خوش ہونے دو۔" وہ کھکھیانے لگا۔

تو دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

پھر ڈیڑھ گھنٹے کا سفر جدی اور حبابہ کا سوتے

ہوئے، سمارا کا حنان سے دنیا جہاں کی گفتگو کرتے ہوئے اور حمزہ کا ان دونوں پر شرارتی فقرے کستے ہوئے گذرا تھا۔

وہ بڑی تیز اور رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جدی نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اسے کئی بار ڈانٹا بھی تھا۔ جس پر اس نے خوشدلی سے دانت نکال دیے تھے۔

"تمہیں دیکھ کر ایکسائیٹڈ ہو رہا ہے ورنہ پہلے تو بالکل صحیح رفتار سے کار چلا رہا تھا۔" سمارا نے ہنستے ہوئے دھیرے سے حنان کے کان میں کہا تھا۔

کاریں مدینے کے علاقے میں داخلے سے پہلے باقاعدہ چیکنگ کے مرحلے سے گذری تھیں۔ پھر مدینے کی قدرے پتلی سڑکوں پر سے گذرتی وہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے ایک ہوٹل کے سامنے رک گئیں۔ تیسرے فلور پر موجود سوئیٹ کی چابیاں انہیں فوراً ہی مل گئی تھیں۔ لفٹ میں ان چاروں لڑکیوں کے ساتھ آسماد بھی تھا۔ وہ اس وقت بھی شمیلہ سے مخاطب تھا۔ اگر پہلے سے بکنگ نہ کرائی جاتی تو اتنی آسانی سے کمرے نہ ملتے۔ مصر، سیریا، لبنان وغیرہ سے بے شمار لوگ زیارہ کے آئے ہوئے ہیں۔ وہ ہونٹ بھینچے منہ دوسری طرف کیے کھڑی رہی۔

اوپر سوئیٹ بہت بڑا تھا۔ دوسری لفٹ سے حبابہ اور جدی حمزہ کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ ادھر اس نے اور حنان نے گھوم گھوم کر ان چاروں کمروں کو دیکھا۔ جو ریفریجریٹر، ٹیوی قالینوں اور پردوں سے آراستہ تھے۔ ہر کمرے کے ساتھ حمام موجود تھا۔ چاروں لڑکیوں کو جدی اور حبابہ کے برابر والا، آخری کونے کا کمرہ دیا گیا۔ باقی بچے ہوئے کمروں میں وہ سب بہت تیزی سے سیٹ ہوئے تھے اور وضو وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے فجر کی نماز کی تیاری کرنے لگے۔ ساڑھے چار بجے ہی نکل جانا تھا ورنہ مسجد نبوی کے اندر جگہ ملنی سخت مشکل تھی۔ کئی گلیوں سے گذر کر وہ سب سیدھی سڑک پر آ اور مسجد تک پہنچے تھے۔ مدینے کا پورا علاقہ پتلی پتلی گلیوں سے بھرا پڑا تھا۔ گلی کے دونوں دکانیں تھیں جو بالکل صبح سے ہی کھل جاتی عشاء کی نماز کے بعد ہی بند ہونی شروع ہوتی تھیں۔ جدہ والوں کی طرح یہ لوگ رات بھر کے عادی نہ تھے۔ مسجد نبوی کی عظیم الشان وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ کئی داخلے کے لیے لمبے چوڑے سنہری دروازے گئے تھے۔ اندر قالینوں کی قطاریں قبلہ رخ ہوئی تھیں۔ درمیان میں سفید سنگ مرمر کے تھے۔ چھت پر روشنیاں اور سنہری نقش امتزاج نگاہوں کو مبہوت کرتا تھا۔ روضۂ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کافی اندر جا کر تھا۔ کے دروازے عورتوں کے لیے صرف مخصوص میں ہی کھولے جاتے تھے۔ ایک عجیب سا سکون وہاں۔ وہ نماز کے بعد بھی وہاں سے اٹھنے کو تیار ہوئی۔ سبھی لوگ ناشتہ کرنے کے لیے واپس چلے گئے۔ وہ مسلسل عبادت میں مصروف رہی اپنے بگڑے ہوئے حالات کے سدھرنے کی دعائیں مانگتی رہی۔ یہ بات تو اسے راستے میں سے معلوم ہوئی تھی کہ ابویا اور ڈیڈی تمام جائیداد ہوٹل اور کوٹھی وغیرہ فروخت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ڈیڈی کا ارادہ اب مستقلاً وہاں سے شفٹ ہو جدہ آجانے کا تھا۔ ظاہر ہے یہ کام اتنا آسان نہ اتنا بڑا بزنس جو انڈیا کے کئی شہروں میں پھیلا ہوا اسے وائنڈ اپ کر کے جدہ چلے آنا۔ اتنے کم وقت میں سخت دشوار گذار تھا۔ ابویا ان کی ہر طرح کی کے خیال سے وہاں رکے ہوئے تھے۔ مام اور ڈیڈی کی علیحدگی کا معاملہ نجانے کہاں تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ

فکر مندی سوچتی رہی۔ ساڑھے آٹھ بجے حضور کا روزۂ مبارک کھلا۔ دوسری بے شمار عبادت کرتی، مختلف ممالک کی خواتین کے ساتھ وہ بھی اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔ پہلے قدرے کھلا ہوا حصہ نظر آیا جہاں کی چھت چھتریوں کی شکل میں تھی ان چھتریوں کو بٹن دبا کر صبح و شام کھولا اور بند کیا جاتا تھا۔ یہاں پر کچھ اس قسم کے گنبد بنائے گئے تھے جو بٹن دبانے سے بادلوں کی طرح گڑگڑاتے ایک طرف چلے جاتے تھے اور اسی طرح وقت ضرورت انہیں ریلنگ پر واپس لایا جاتا تھا۔ بے پناہ رش میں سب کے ساتھ وہ بھی اندر داخل ہوئی تھی۔ نوافل پڑھنے کے بعد جب دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھایا تو چہرہ آنسوؤں سے ڈوب گیا۔ کسی بھی مقام مقدس پر زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔ وہاں پر موجود مراقبہ (چیکنگ کرنے والی عورتیں) فوراً ہی ہٹنے کا اشارہ کرنے لگتی تھیں۔ ریاض الجنۃ (وہ حصہ جسے جنت کا باغ کہا جاتا ہے) میں نوافل پڑھتے ہوئے نجانے کیسے آسماد کا خیال آ گیا تھا۔ دل میں اچانک درد کی لہر سی اٹھی تھی۔ میرے حق میں وہ کر، جو بہتر ہو اور میرے مستقبل کو درخشاں کر دے۔ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے، اچانک اس کا دل پرسکون سا ہو کر ٹھہر گیا۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے وہ سب لوگ پھر سے حرم میں آ گئے تھے۔ اور سمارا سے اسی جگہ آ کر ملے تھے جہاں صبح جاتے وقت اسے چھوڑ گئے تھے۔ مسجد نبوی میں عورتوں اور مردوں کے لیے بالکل الگ الگ حصے رکھے گئے تھے۔ پھر بعد نماز سبھی خواتین کے ساتھ وہ بھی ہجوم سے بچتی بچاتی باہر نکل آئی۔ کاملہ نے سمارا کو بتایا تھا کہ سب لوگ لنچ کے لیے برسٹ کھانے جا رہے ہیں۔ مرد حضرات پارکنگ سے کاریں نکال کر لا ہی رہے ہونگے۔ وہ سر ہلاتی ان سب کے پیچھے ہو لی تھی۔ کافی لمبا راستے

غزل

مقیت اعظمی، اعظم گڑھ

دنیائے رنگ و بو میں رمق اب کہاں رہی
آفاق پہ مچلتی شفق اب کہاں رہی

وہ لغزشِ حیات رہی راہبر مری
وہ لغزشِ حیات سبق اب کہاں رہی

خود غرضیوں کا دور ہے جس سمت دیکھیے
اخلاص کی دلوں میں رمق اب کہاں رہی

وہ فہم، وہ بصیرت قلب و نظر مقیت
روشن ہوں جس سے چودہ طبق اب کہاں رہی

طے کرنے کے بعد گھر کے سبھی مرد نظر آئے۔ بزرگ خواتین فوراً ہی جدی اور عمو محمد کے ساتھ ہو لیں۔ حنان اور کاملہ کا موڈ چاروں طرف کھلی دکانوں کو دیکھ کر اچانک شوپنگ کا بن گیا تھا۔ حماد اور حمزہ کی ڈیوٹی ان سب لڑکیوں کو لے کر ہوٹل پہنچنے کی لگا کر آسماد اور شمیلہ بھی ان لوگوں کے ہمراہ ہو لیے۔ سمارا فلک کی نظروں نے دور تک ان دونوں کا پیچھا کیا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کا دل ہر طرف سے اچاٹ ہو گیا۔ بے دلی سے وہ لڑکیوں کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ نجانے کتنی دکانوں پر وہ گئی تھی اور باہر نکلی تھی۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں وہ لوگ دیکھ رہی تھیں۔ پسند کر رہی تھیں اور خرید رہی تھیں۔ وہ غائب دماغی سے انہیں دیکھ اور سن رہی تھی۔

پھر کسی اسٹف ٹوائے کی شاپ پر انہیں گھستا دیکھ کر اکتائے ہوئے انداز میں وہ باہر ہی رک گئی۔ حنان نے اسے اشارے سے بلایا بھی تھا لیکن پھر اسے انکار میں سر ہلاتے دیکھ کر وہ حمزہ کی پسند سے کوئی ڈونلڈ ڈک خریدنے میں لگ گئی۔ کاملہ ٹیوٹی

والے کھلونے پر فدا تھی اور اسی کو پیک کرانے میں لگی تھی۔ وہ یونہی وقت گزاری کے لیے برابر والی کھجوروں کی دکان کی طرف بڑھ گئی۔ کھجوروں کو اٹھا کر اس نے قیمت بھی دریافت کی تھی۔ کچھ لمبی کھجوریں تھیں جنکا نام وہ صفوی بتا رہے تھے۔ سرادی نام کی درمیانی سائز کی کھجوریں تھیں۔ کافی دیر میں اس نے پلٹ کر کھلونوں کی دکان میں ان چاروں کو ڈھونڈا تھا۔ مگر وہ وہاں موجود نہ تھے اندازہ ہی نہیں ہو پایا تھا کہ وہ کب وہاں سے نکل کر آگے بڑھ گئے۔ لوگوں کے بے پناہ ہجوم کو چیرتی وہ دیوانہ وار آگے بڑھی تھی پھر تو اس نے ہر گلی، ہر دکان پر انہیں کھوج ڈالا۔ مگر ان چاروں کا کہیں سراغ نہ ملا۔ آخر کار تھک کر وہ ایک طرف بیٹھ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کس بروسٹ شاپ پر جانے کا وہ لوگ پروگرام بنا رہے تھے۔ سائیں سائیں کرتے دماغ کو قابو میں کرتے ہوئے اس نے وہ ہوٹل یاد کرنے کی کوشش کی جہاں وہ لوگ صبح آ کر ٹھہرے تھے مگر صد افسوس کہ وہ بھی یاد نہ آیا۔ لمبا سا عربی نام تھا جو ہوٹل کے داخلی گیٹ پر لکھا دیکھ کر دماغ کے کسی کونے میں صبح ہی فٹ نہ ہو پایا تھا۔ پھر اس وقت اچھا خاصہ اندھیرا بھی تھا راستے کی جانب وہ زیادہ دھیان ہی نہ دے پائی تھی۔

اب کیا کرے؟ مسلسل ایک گھنٹہ ادھر سے ادھر ٹکریں کھانے کے بعد۔ اور یہ کوشش کرنے کے بعد کہ شاید دوبارہ رہائشی ہوٹل نظر آ جائے۔ اس نے سوچا تھا۔ ایک بار پھر وہ چکر کھاتے کھاتے مسجد نبوی کے داخلی بڑے دروازے کے نزدیک پہنچ گئی تھی اور عمارت سے کافی فاصلے پر لگی اونچی جالیوں کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ہجوم اب تتر بتر ہو گیا تھا۔ صرف پولیس والے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ اگر اسے مشکوک سمجھ کر تفتیش پر آمادہ ہو گئے تو۔ گھبرا کر اس نے پرس ٹٹولا تھا شکر ہے کہ اقامہ (کام کرنے اور رہنے کا اجازت نامہ) سنبھال کر اندر رکھا ہوا تھا۔

آسمان پر دن کا بادشاہ سورج بڑی شان سے براجمان تھا اور اپنی پر تپش، سرخ سرخ آنکھوں سے اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ بھوک، تھکن اور گرمی نے بیک وقت اس پر یلغار کی تھی۔ پسینہ لباس کے نیچے موٹی دھار کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ اور جب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اب وہ چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دے تب اس کے شانے پر ایک مضبوط ہاتھ آ رکا تھا۔

''کہاں تھیں تم؟ آج کس قدر پریشان کیا ہے تم نے سب کو؟'' وہ آساد تھا۔ پیشانی پر سلوٹیں ڈالے فکر مند سا! حماد، حمزہ عموسب تمہیں ڈھونڈنے کے لیے نکلے ہوئے ہیں۔ وہ تو میرے ذہن میں اچانک آیا کہ ایک بار تمہیں حرم کے سامنے اور ڈھونڈ لوں۔

سمارا کے چہرے پر اچانک ڈھیروں تشکر اتر آیا تھا۔ آساد وجود کسی مہربان اور سایہ دار شجر کے طرح محسوس ہوا۔ چلو گاڑی ذرا دور پارک کی ہوئی ہے میں نے۔ ایک منٹ میں ذرا سب کو انفارم کر دوں۔ کہتے کہتے وہ موبائل پر بٹن پریس کرنے لگا۔ پھر نجانے وہ کس کس کو فون ملا کر سمارا کے ملنے کی اطلاع دی تھی مگر وہ صرف اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں پر تیزی سے پریشانی کے بادل چھٹتے جا رہے تھے اور اطمینان و سکون سے بھری فضا دکھائی دے رہی تھی۔

نجانے وہ کس بات پر ہنسا تھا غالباً دوسری طرف فون پر حمزہ تھا اور تب اس کے گالوں پر بڑے واضح ڈمپل نظر آنے لگے تھے۔ اس نے پہلی بار یہ بات نوٹ کی کہ ڈمپل عورتوں کی خوبصورتی کو ہی نہیں، مردوں کی وجاہت کو بھی ہزار گنا بڑھا دیتے ہیں۔

''تمہارا موبائل کہاں ہے اگر وہ موجود ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہ ہوتا۔'' وہ سب سے گفتگو کرنے کے بعد اب پھر اس سے نہایت سنجیدگی سے مخاطب تھا۔

''میں اسے جلدی میں ہوٹل ہی چھوڑ آئی تھی۔'' وہ شرمندہ سی کہہ رہی تھی۔

''پھر چلتے ہیں کار ذرا دور پارک کی ہوئی ہے۔'' وہ پلٹ گیا۔ ''سب لوگ لنچ کے لیے ہمارے منتظر ہیں۔''

''میں واقعی معذرت خواہ ہوں، میری وجہ سے آج سب لوگوں کو اتنی پریشانی ہوئی۔ بس ذرا سی دیر کے لیے میں ادھر سے ہٹی تھی اور ان چاروں سے بچھڑ گئی۔'' سمارا کا لہجہ دھیما اور بجھا سا تھا۔ ''کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے اس ہوٹل تک چلے چلیں، جہاں صبح آ کر ٹھہرے تھے۔ میرا تھکن اور گرمی سے برا حال ہے۔ بس دو منٹ میں شاور لے لوں گی تو تھوڑا فریش ہو جاؤں گی۔ پلیز۔''

اس نے ایک ذرا رک کر بغور اس کی شکل دیکھی تھی اور اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ اور پھر وہ راستہ جو اسے گھنٹوں سے نہیں مل رہا تھا وہاں وہ اس کی ہمراہی میں چند منٹوں میں پہنچ گئی۔ وہ بے حد سنجیدہ سا اخبار لے کر درمیان کمرے میں بیٹھ گیا تھا۔ سمارا نے بے حد پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ مختصر سے عرصے میں اس نے حمام میں جا کر شاور لیا تھا اور بڑا سا دوپٹہ والا سوٹ پہن کر واپس آ گئی تھی۔

''سوری! میں اس وقت عبایہ نہیں پہن سکتی تھی۔ سارا کا سارا پسینوں سے بھرا تھا۔'' اس سے پہلے کہ استفسار کرتا وہ گیلے بالوں میں کلپ لگاتی جلدی جلدی خود ہی بتانے لگی۔

''مگر بغیر عبایہ کے تم مدینے میں بآسانی گھوم پھر نہیں سکتیں۔ ہوٹل کے نیچے دکانیں ہیں چلو وہیں سے خرید لیتے ہیں۔'' وہ خشک لہجے میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

پھر بغیر اس سے دریافت کیے آساد نے ایک بے حد خوبصورت سا عبایہ پسند کر لیا تھا۔ اور دکان

صالح حکمران کی برکت

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ مسند خلافت پر جلوہ فرما ہوئے تو پہاڑیوں کے دامن میں رہنے والے چرواہے نے پوچھا۔ ''مسلمانوں پر یہ کون صالح، پاکیزہ خصلت خلیفہ مقرر ہوا ہے؟''

راوی نے پوچھا ''یہ بات تم لوگوں کو کیسے معلوم ہوئی؟''

چرواہے نے کہا۔ ''جب کوئی نیک اور صالح حکمران مسند نشین ہوتا ہے تو شیر اور بھیڑیے ہمارے جانوروں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔''

(عاصمہ رضوی، پٹنہ)

کے اندر بنے چھوٹے سے کیبن میں جا کر اسے پہننے کا اشارہ کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ جب والٹ سے پیسے نکال کر ادائیگی کرنے لگا۔

''میرے پاس ہیں ریال!'' وہ عبایہ تھامتے ہوئے ٹھٹک سی گئی۔ جواب میں خاصے جارحانہ اور تنبیہی انداز سے آساد نے اسے گھورا تھا۔ پیشانی ایک دم بے شمار شکنوں سے بھر گئی تھی۔ وہ فوراً بوکھلا کر اندر کے کیبن میں گھس گئی۔

بروسٹ (ایک مخصوص انداز میں تلا ہوا چکن) کا ہوٹل نیچے ہر خاص و عام کی خریداری کے لیے کھلا تھا لیکن اوپر فیملی کیبن تھے جہاں پردے کے انتظام کے ساتھ عورتیں بھی بیٹھ کر کھا پی سکتی تھیں۔

سیڑھیوں پر آساد کے ساتھ اوپر چڑھتے ہوئے اچانک اس کا ذہن آساد کے قد کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ سمارا سے اچھا خاصا لمبا تھا۔ جب کہ اپنے متعلق تو وہ ہمیشہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہی تھی کہ اس

کے برابر چلتے ہوئے لمبے لوگ بھی خوفزدہ سے ہو جاتے ہیں کیونکہ ذرا سی ہیل پہنتے ہی وہ ان لوگوں کے ایک دم برابر آجاتی تھی۔ یقیناً وہ غامدی خاندان میں سب سے لمبا تھا۔

اوپر سب کے درمیان پہنچتے ہی اس کا استقبال یوں ہوا تھا جیسے وہ ابھی ابھی انڈیا سے مدینہ پہنچی ہو۔ باری باری اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ہر ایک نے اسے لپٹا کر پیشانی پر پیار کیا تھا۔ حماد اور حمزہ بھی اس کے اطراف آکر کھڑے ہوگئے تھے۔ صرف شمیلہ نے اس پر ایک نظر ڈالی تھی اور تیزی سے آساد کی طرف بڑھی تھی۔

"اف! اتنی شدید گرمی میں اس احمق لڑکی کی وجہ سے تمہیں کتنا خوار ہونا پڑا۔" وہ بے تابی سے آساد کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ وہ تڑپ کر حبابہ کے شفیق سینے سے الگ ہوگئی۔ لگا جیسے کسی نے جلتے ہوئے انگارے اس کی جانب اچھال دیے ہوں۔ جھلستے ہوئے اس نے ایک دم آساد کو دیکھا تھا اور اسے مسکراتے شمیلہ کو وضاحتیں دیتے دیکھ کر اچانک اس کا دل چاہنے لگا کہ اس شمیلہ کو بھسم ہی کر ڈالے۔ وہ کیوں کر اتنے استحقاق سے آساد سے بات کر رہی تھی؟ پھر اس کی نظریں مسلسل ان دونوں کو ہی اپنے حصار میں لیے رہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک ہی ٹیبل پر بیٹھ گئے تھے اور بروسٹ کا آرڈر نوٹ کرانے لگے تھے۔

"حد ہوگئی! جب اب پرنس کے مل جانے کی خبر مل گئی تھی تو کھانا تو کھا لیا جاتا۔ اب بھوک کے مارے چکر سے آنے لگے ہیں۔" وہ بآواز بلند کہہ رہی تھی۔ غم و غصے نے بیک وقت سارا پریشان کر دی تھی۔

یہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہی کیوں نظر آتے ہیں؟" برداشت کی حد کیا جواب دینے لگیں تو وہ حنان سے پوچھ ہی بیٹھی تھی۔ لہجے میں جلن، نفرت، مایوسی سبھی کچھ چھپا ہوا تھا۔

"بہت دوستی ہے ان دونوں میں۔ اور اسٹینڈنگ تو غضب کی ہے۔ آج سے نہیں بچپن سے ہی۔ ہم سب تو اس کے عادی ہیں۔ آساد اگر سوئی کی نوک بھی چبھ جائے تو شمیلہ کی بے قرار قابلِ دید ہوتی ہے یوں پریشان ہوتی ہے جیسے تلواروں کے گھیرے میں ہو۔" حنان کہتے ہوئے دھیرے سے ہنس دی تھی۔

"دونوں اگر اتنے ایک دوسرے کے نزدیک تھے تو ایک دوسرے سے کیوں نہ منسوب کر دیے گئے۔" بروسٹ کا ڈبہ اپنے سامنے کھولتے ہوئے طنز بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ارے! ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا۔ آساد کے نصیب میں تو تم تھیں نا۔" حنان نے بے ساختہ مسکراہٹ دبائی تھی۔ اور مزے سے تلے ہوئے چٹنی کے ساتھ لگا لگا کر کھانے لگی تھی۔ سارا نے کوئی سخت جملہ کہنا چاہا پھر نجانے کیا سوچ کر منہ کر لیا۔ اب وہ غور و خوض میں ڈوبی نظر آرہی تھی بھوک، پیاس سب نجانے کہاں چلے گئے تھے۔

"ارے کھانا کھاؤ نا۔ کتنا ٹیسٹی ہے۔ اگر بروسٹ کا ڈبہ میرے سامنے کھلا ہو تو دنیا کی ہر نعمت میں اٹھا کر ایک طرف رکھ دوں۔" حنان کے ڈبے سے چکن کے پیس تیزی سے غائب ہوتے جا رہے تھے۔

"یہ بھی تم ہی کھا لو پلیز! میرا اب دل نہیں چاہ رہا۔" وہ ایک لیگ پیس کھا کر ہی گیلے ٹیشو سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ حنان اصرار ہی کرتی رہ گئی تھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک نئی فکر اس کے دل کے سامنے سینہ تانے کھڑی تھی۔ اس کی شکوہ کناں نظریں نجانے کتنی ہی بار آساد کی جانب اٹھی تھیں۔

اگلے دن عصر کی نماز کے بعد انہوں نے واپسی کا قصد کیا تھا۔ ہوٹل سے نکل کر سارا سامان کاروں میں

رکھا جانے لگا تھا۔ ابھی سبھی لوگ گاڑیوں کے باہر کھڑے ہنسی مذاق میں ہی مصروف تھے۔ شمیلہ آساد کی جیپ میں فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوگئی تھی۔ اپنی کار کی طرف جاتے ہوئے اچانک اس کے خون میں ابال کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ پھر فیصلہ لمحوں میں ہوا تھا۔ آساد کی سلور رائل بلو جیپ تک پہنچتے پہنچتے اس کا خون ابل کر بوالنگ پوائنٹ تک جا پہنچا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ جب آساد نام کی سیٹ سالوں تک خالی پڑی تھی، تب تو تمہیں اس پر بیٹھنے کا خیال نہ آیا اور جب اس پر میرے نام کی نیم پلیٹ لگ گئی تب تم اس پر قابض ہونے کی کوشش کر رہی ہو۔" فرنٹ ڈور کھولے وہ اس سے یوں مخاطب تھی جیسے تڑتڑ گولیاں چلا رہی ہو۔

مگر دوسری طرف کوئی خاص اثر نہ ہوا تھا۔ ڈھیٹ بنی وہ آرام سے کہہ رہی تھی۔

"خاصی خوش فہمی میں مبتلا ہو تم۔ ابھی تم آساد نام کی نشست پر بیٹھی نہیں ہو، صرف سامنے کھڑی ہو۔" اپنی بات پر وہ خود ہی دل کھول کر ہنس دی تھی۔

صرف ایک لمحہ کے لیے وہ اپنی زبانی بندوق کو اوپر اٹھانا بھول گئی مگر دوسرے ہی لمحے تو گویا اس نے توپ کا دہانہ کھول دیا تھا۔ غم و غصے کے بے شمار گولے ایمس فٹ تھے۔

"تم اپنی حیثیت کو یاد رکھو۔ کزن ہو اس کی۔ اور وہی بنی رہو۔ میں چاہے اس کے سامنے کھڑی رہوں۔ اس کے سر پر سوار ہوں یا اس کے قدموں میں بیٹھی رہوں، تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آئندہ اس کے آس پاس بھی نظر آئیں تو سمجھ لو۔ شوٹ کر دوں گی تمہیں۔"

"بس یا کچھ اور؟ جاؤ جا کر اپنی کار میں بیٹھو اور سفر کی دعا پڑھو۔" شمیلہ کے اطمینان میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا تھا۔

"اف! کس قدر بے غیرت لڑکی ہے۔" وہ دانت پیستی واپس آئی تھی۔ مزید گفتگو ممکن نہیں تھی کیونکہ آساد تیزی سے اسی سمت آرہا تھا۔

وہ واپس کار کی جانب آئی تو حبابہ کو جدی سے کہتے سنا۔ "آج کا تمام دن تو بھاگ دوڑ میں ہی گذر گیا۔ بس اب میں سوہی جاؤں گی بیٹھے بیٹھے ہی۔"

"حبابہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ واقعی وہ تھک گی ہونگی۔ جدی آپ یوں کریئے کہ آپ بھی پچھلی نشست پر آجایئے۔ اور آرام کریئے۔ میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاتی ہوں۔ اور پلیز ڈرائیونگ کے لیے آساد کو بلوالیں۔ یہ حمزہ بڑی رف ڈرائیونگ کرتا ہے۔"

وہ غصے کی بندوقیں تو پیں سب سنبھال کر دماغ کے اسٹور روم میں رکھنے لگی۔ نظریں اب بھی مستقل طور پر آساد اور شمیلہ پر جمی تھیں۔ دونوں نزدیک بیٹھے سرگوشی میں کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ پھر جب جدی

غزل

نادر اسلوبی

کیا کریں بازار میں سوداگری شیشے کی ہے
مال بھی شیشے کا ہے یہ ساکھ بھی شیشے کی ہے
دل نچھاور کرنے والے ہوش کے ناخن تو لے
مورتی پتھر کی ہے تو شاعری شیشے کی ہے
اس صنم انداز کی صورت گری مقصود ہے
آزری پتھر کی ہے تو شاعری شیشے کی ہے
جوش کا وہ وقت تھا اب ہوش کا یہ وقت ہے
وہ صدی پتھر کی تھی پر یہ صدی شیشے کی ہے
حادثوں کی بھیڑ میری زندگی کے ساتھ ہے
میں جہاں رہتا ہوں نادر وہ گلی شیشے کی ہے

نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے آساد کو آواز دی تو اس نے اپنے جسم پر فتح اور سرشاری کی لہریں دوڑتی محسوس کیں۔ پھر ذرا دیر بعد ہی آساد نے جدی کی مرسیڈیز کی ڈرائیونگ سنبھال لی تھی۔ اس کی جیپ اب حمزہ کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ کسی انجانی خوشی سے چور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھی۔ بلیک جینس اور اسکائی بلو شرٹ میں آساد کا لمبا قد اور یونانی مردوں جیسی بوڈی مزید پرکشش اور وجیہہ لگ رہی تھی۔ وہ اسے نزدیک بیٹھا دیکھ کر صرف ایک لمحہ کے لیے چونکا، پھر سن گلاسس اتار کر سامنے ڈیش بورڈ میں رکھتے ہوئے، سیٹ بیلٹ باندھنے لگا۔

"اگر اسے نہ باندھا جائے تو کیا اس پر بھی جرمانہ لگ جائے گا۔" وہ خوش دلی سے کہتی، چہرے سے نقاب ہٹانے لگی۔ اسکارف کو ڈھیلا کر کے یونہی سر پر اوڑھ لیا۔

"آف کورس!" اس کے چہرے پر حد درجہ بیزاریت تھی۔

"قاعدے قانون اچھی چیز ہوتے ہیں اگر وہ ملکی سطح پر سختی سے لاگو کیے جائیں تو نظم و ضبط ہر صورت میں قائم ہو جاتا ہے۔" وہ زبردستی ہی اسے گفتگو کے لیے مجبور کر رہی تھی۔ مگر وہ چہرے پر پتھروں جیسی سختی لیے کار اسٹارٹ کرنے لگا۔ اسی لمحہ سارا نے اپنی سیٹ بیلٹ کھینچی تھی اور ادھر وہ شاید ہینڈ بریک نیچے کر رہا تھا دونوں کے ہاتھ صرف لمحے بھر کے لیے ٹکرائے تھے مگر سارا نے کرنٹ جیسی کیفیت محسوس کی تھی پھر یہ کرنٹ پورے جسم میں تیزی سے پھیلنے لگا۔ اس نے گھبرا کر آساد کو دیکھا تھا مگر وہ اطمینان سے کار کی رفتار بڑھانے کے لیے ایکسیلیٹر دبانے میں مصروف تھا۔

"پلیز کچھ بولو نا! میں سخت بور ہو رہی ہوں۔" وہ ذرا دیر بعد ہی اس کی مسلسل خاموشی سے گھبرا گئی۔

جدی اور حبابہ کب کے گہری نیند میں ڈوب گئے تھے۔

"میں ڈرائیونگ کے دوران خاموش رہنا پسند کرتا ہوں۔ اس لیے تم بھی خاموش رہو۔" اس کی آنکھوں میں خشونت اور چہرے پر سرد مہری تھی۔ وہ حیران حیران سی اس کے چہرے کو تکتی رہی۔

☆☆☆

عجب خوبی سے آتا ہے تمہیں عشق جفا کرنا
مجھی سی ابتدا کرنا، مجھی پر انتہا کرنا

"کہاں ہیں میری سعودی ڈریس (لباس)؟" وہ پھولے سانسوں سے اُمی کے ایک فون پر ابویا کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔

"اوپر میرے کمرے میں ہیں۔ فی الحال درزی وہ لباس سی کر دے گیا ہے۔ تم ٹرائی کر لو۔ اگر فٹنگ وغیرہ صحیح رہیں تو باقی بھی ایسے ہی سی دے گا۔" ہمیشہ کی طرح اُمی زینب کا چہرہ اسے دیکھتے ہی کھل گیا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر والے کمرے میں پہنچی تھی۔ امی کی الماری سے اس نے جلدی ہی وہ بڑا سا پیکٹ برآمد کر لیا تھا اور بڑے جوش سے دونوں لباس نکال کر دیکھے تھے۔ ایک بیبی رنگ میں بڑے سے گلے کی ٹائٹ فٹنگ والی میکسی تھی جس پر سیاہ موتیوں سے بڑا دلکش سا کام کیا گیا تھا۔ دوسری فیروزی اور جامنی رنگوں کے امتزاج سے بنی میکسی تھی۔ اس نے ٹرائی کرنے کے لیے بیبی والی میکسی کو منتخب کیا۔

تقریباً پندرہ دن ہو گئے تھے انہیں مدینے آئے ہوئے۔ ڈیڈی سے کئی بار فون پر بات ہو چکی تھی۔ وہ آخر کار سارا بزنس وائنڈ اپ کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ سوئیزرلینڈ کے بینک میں تمام رقم بھی جمع کرا دی تھی۔ یہاں سعودی عرب آ کر تین بڑے شہروں میں ہوٹل کھولنا ان کے اگلے پلان میں شامل تھا۔ ابویا اگلے ہفتے واپس

آ رہے تھے لیکن ابھی ڈیڈی کو آنے میں وقت لگنے والا تھا۔ مام کے خلع والے معاملے کی عدالتی کارروائیوں انہیں روکے ہوئے تھیں۔ ایک بار پھر غم کی شدتوں نے اس کے ساتھ ساتھ بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ وہ دونوں علیحدہ ہو رہے تھے۔ ایک موہوم سی امید جو دونوں کے مل جانے کی ہر وقت بندھی رہتی تھی۔ اس نے دم توڑنا شروع کر دیا تھا۔ یہ سارے معاملات تادیبہ عزیز کے خراب کیے ہوئے تھے۔ نہ وہ ڈیڈی کو ملتی، نہ یہ سارا فساد ہوتا۔ غلطی ممی کی بھی تو زیادہ نہیں ہے کوئی بھی محبت کرنے والی عورت اپنے شوہر کے نزدیک کسی دوسری عورت کو کیسے برداشت کر سکتی ہے۔ اس نئی کیفیت سے آگاہی اسے شملہ کو آساد کے نزدیک دیکھ کر ہوئی تھی۔

ویسے بھی اس کی فطرت لمحہ بہ لمحہ بدلنے والوں میں سے تھی۔ کوئی ایسی چیز جو اسے آج قیمتی محسوس ہوتی تھی، وہ اسے کل ڈسٹ بن میں اٹھا کر پھینک سکتی تھی۔

کسی کی چھوٹی سی بات اس کی قدر و منزلت کو بڑھا کر آسمان کے برابر کر دیتی تھی تو کسی شخص کی ذرا سی ناپسندیدہ بات اسے قدموں میں لا پھینکتی تھی۔ ڈیڈی اکثر اس کی فطرت سے پریشان ہو کر گھنٹوں سمجھاتے، بجھانے کے فرائض انجام دینے بیٹھ جاتے تھے۔

میکسی پہننے کے بعد اس نے میچنگ ہائی ہیل بھی پہنی تھی۔ بالوں کو کھول کر برش کیا تھا اور اُمی کو دکھانے کے خیال سے باہر نکلی تھی۔ اس کے خیال میں خدامہ کے علاوہ اس وقت صبح کے گیارہ بجے گھر میں کسی اور کی موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ حماد تو ایک ہفتے پہلے ہی شکاگو کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اور آساد، حمزہ صبح صبح ہی اپنے اپنے کاموں سے نکل جاتے تھے۔ خود سارا بھی چار بجے اخبار کے آفس چلی جاتی تھی اور رات آٹھ بجے تک اس کی واپسی ہوتی تھی۔ صبح کا یہی وقت تھا جو وہ حبابہ اور اُمی کے ساتھ گذارا کرتی تھی۔ ان دنوں وہ عمتی خدیجہ سے قرآن کا درس لیتی اور تجوید سیکھتی تھی۔ آساد اور شملہ کی جانب سے اب وہ خاصی مطمئن تھی۔ دونوں عرصے سے ساتھ ساتھ نظر نہ آ رہے تھے۔ یقیناً شملہ اس سے خائف ہو گئی تھی اور اس نے آساد کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ اکثر یہ سوچ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی کرنیں بکھیر دیتی۔

برابر والے کمرے میں کھٹکے کی آواز سی آئی تو اسے لگا کہ اُمی اوپر ہی آ گئی ہیں۔ یہ برابر والا بڑا سا کمرہ اُمی نے پچھلے دنوں ہی بنوایا تھا۔ بڑی جلدی سیٹ کرا دیا اُمی نے۔ ابھی پرسوں ہی تو اس میں وہائٹ واش ہو رہی تھی۔ اور انٹیریئر ڈیکوریشن والے کو سیٹنگ کے لیے بلوایا گیا تھا۔ وہ میچنگ کارپٹ، پردے، بیڈ روم سیٹ وغیرہ کو تعجب سے دیکھنے لگی۔ تبھی اندر موجود حمام کا دروازہ کھلا تھا۔ اور آساد باتھ روم ٹاول لپیٹے باہر نکلا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ فوری طور پر بوکھلا گیا۔ پھر خاصے چڑچڑے لہجے میں بولا تھا۔

"کسی کے کمرے میں داخل ہونے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ لگتی تو خاصی مہذب ہو؟" نزدیک پڑا دوسرا ٹاول اٹھاتے ہوئے اس نے اوپری جسم پر لپیٹ لیا تھا۔

"یہ تمہارا کمرہ ہے؟ تمہارا تو کوریڈور کے آخری سرے والا کمرہ تھا نا۔" اس کا بیگانہ انداز دل میں کانٹے چبھونے لگا۔

"یہ کمرہ اب میں نے اپنے لیے سیٹ کر لیا ہے۔" وہ لاپروا انداز میں کہتا الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔ اس کی اتنی خوبصورت ڈریس اور حسین سے وجود پر اس نے دوبارہ نظر تک ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ عجیب سی تکلیف اور ہتک سی اس نے اپنے دل میں محسوس کی۔

"سوری! میں امی کو اندر محسوس کر کے یہاں آئی تھی۔" وہ کہتے کہتے واپس پلٹ گئی تھی۔ پھر امی کی بے پناہ تعریف بھی مرجھائے ہوئے دل کو کھلا نہ سکی۔ پہلی بار اپنے کمرے میں سکون سے بیٹھ کر، آفس میں ڈھیروں کام چھوڑ کر، اور رات کو بے حد تھکنے کے باوجود کئی گھنٹے جاگ کر اس نے سوچا تھا کہ وہ مکمل طور پر آساد کے حصار میں آ گئی ہے۔ سحر کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہے اس پر۔ اس کا ایک نظر اٹھا کر دیکھنا دل کی دنیا کو زیروزبر کر دیتا ہے۔ اس کا ذرا سا خیال رکھنا، اسے دنوں مہکاتا رہتا ہے۔ اور اس کا چھو لینا، اس کے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ یہ نئی کیفیت تھی جو اس نے اس سے پہلے کبھی محسوس ہی نہیں کی تھی۔ ابان اس کا منگیتر تھا مگر ایسی کسی کیفیت سے وہ اس کے ساتھ کیوں نہ گزری تھی۔ اس کے ساتھ ملنا ملانا، گھومنا پھرنا بھی ہوتا تھا مگر جذبے یوں تو بھی حاوی نہ ہوئے تھے۔ اس کی بے شمار گرل فرینڈس سے بھی اسے جلن محسوس نہ ہوئی تھی۔ عام طور پر وہ اس کے روزمرہ کے معمولات میں دخل بھی نہ دیتی تھی۔ اکثر وہ اس کے سامنے ہی اپنی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ اٹھ کر چل دیتا تھا وہ ہاتھ ہلا کر بدستور اپنے کاموں میں مصروف رہتی تھی۔ مگر اب شمیلہ سے کیوں اتنی نفرت محسوس ہوتی تھی؟ وہ مسلسل سوچتی رہی اور الجھتی رہی۔ پھر نجانے کیا سوچ کر اس نے آساد کا دیا ہوا چین پینڈینٹ نکالا تھا اور گلے میں ڈال لیا تھا۔

ستمبر کا مہینہ ختم پر تھا جب ابو یاد واپس لوٹ آئے۔ وہ ڈیڈی کے متعلق ان سے گفتگو کر کے خاصی مطمئن ہو گئی تھی۔ اب بس وہ تمہاری مام کی طرف سے پریشان ہے باقی تو سبھی معاملات نپٹ گئے ہیں۔ بس وہی خلع والا معاملہ اٹکا ہے۔ عالیہ بضد ہیں اور فہد پر غصہ اور ضد سوار ہو گئی ہے کہ وہ کسی صورت عالیہ کو طلاق نہ دیں گے اگر وہ علیحدگی اختیار کرنا ہی چاہتی ہیں تو باقی زندگی انہیں کے نام پر گزاریں۔

اس دن آساد نے اچانک ہی سب کو اس... میں لے جا کر ٹریٹ دینے کا اعلان کر دیا تو سبھی جاننے کے لیے متجسس ہو گئے۔ دنیا کے دوسرے... کے بڑے فوارے کے سامنے یہ کافی شاپ تھا... کے دروازے پر بڑا سا گلاس بنا کر اوپری سمت... گیا تھا یہی اصلی اسٹاربکس کی پہچان تھی۔ پھر چ... زون کھاتے اور کافی پیتے ہوئے آساد نے س... خوشخبری سنائی تھی کہ وہ بینک کا منیجنگ ڈائریکٹر بن... ہے۔ سبھی کے چہرے مارے خوشی کے کھل سے... تھے۔ اتنی جلدی اور اتنی کم عمری میں یہ پوسٹ حاصل کرنا آسان کام نہ تھا۔

"الف مبروک (ہزار بار مبارک باد)" سبھی ... زبان سے بیک وقت نکلا تھا۔ خود اس نے ... آپ کو بے پناہ خوشی میں ڈوبا محسوس کیا۔ لگا جیسے اس کی اپنی کامیابی ہو۔ واقعی اتنی بڑی پوسٹ پر ... جانا بہت بڑی فتح ہے۔ وہ ہاتھ بڑھا کر مبارک ... دیتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔ ... بھی دوگنی محسوس ہو رہی تھی کہ اس ٹریٹ میں شمیلہ ... شامل نہ ہو پائی تھی۔ وہ ہوسپٹل میں کسی ایمرجینسی کیس میں پھنس گئی تھی اور صحیح وقت پر پہنچ نہیں ... تھی۔ وہ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے حمزہ کے گلے لگ گیا۔

سمارا نے اپنا ہاتھ واپس کھینچتے ہوئے کوئی ... عزتی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اس سلوک میں ... بجانب تھا اس کی کتنی محبتوں اور دلداریوں کا جواب اس نے اتنی بدتمیزی سے دیا تھا۔ وہ یقیناً خفا تھا۔ اب وہ اسے منانے میں قطعی دیر نہ لگائے گی۔ اس نے کوئی جانب داری نہ کرتے ہوئے اپنا محاسبہ کیا تھا۔

پھر جب سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ اس نے آسمان کی جانب جاتے رنگین فوارے کے نزدیک بیٹھ کر مام کو فون ملایا تھا۔ اب اس کے خیال میں اپنے موبائل پر بات کرنے میں کوئی خطرہ نہ تھا۔ مام اگر جواب میں اس نمبر پر گفتگو کر بھی لیتیں تو کیا فرق پڑ سکتا تھا۔ ڈیڈی اب تمام کاموں سے فراغت حاصل کر کے آنے ہی والے تھے۔ شہریت حاصل کرنے کے لیے اس کے کاغذات جمع ہو چکے تھے۔ ڈیڈی نے اس پر ابھی چلے تک اپنے موبائل پر گفتگو نہ کرنے کی ممانعت کی تھی۔

"مبارک ہو۔ اپنے باپ کی شادی کی مبارکباد تو قبول کر لو۔" ان کی ہمیشہ کی عادت تھی کہ ریسیور اٹھاتے ہی اصل موضوع پر آ جاتی تھیں۔ خیریت ... معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھیں۔

"ڈیڈی نے شادی کر لی۔" وہ مارے حیرت کے سلام کرنا بھی بھول گئی۔ "خفیہ شادی ہے یہ۔ ... کی طرح اسے لے کر بل میں گھس گیا ہے۔ ... جان چھوڑنے کو راضی نہیں۔" وہ غیض ... میں شمیلہ کی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ "سنو! ایک فیور ... کرو گی میرے ساتھ! اس کا کوئی ایڈریس، رابطے کا ... نمبر اگر ہو تو مجھے دے دو۔"

"نہیں مام! مجھے کوئی نمبر نہیں دے رکھا۔ خود ہی ضرورت کے لحاظ سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔" مام کی ... تکلیف کا احساس اسے بھی بے قرار کر رہا تھا۔ ساتھ ... ساتھ وہ پہلی بار ان کے فون نمبر سمارا کو نہ دینے پر رنجیدہ بھی کرتی جا رہی تھی۔ گویا وہ اسے قابلِ بھروسہ نہ سمجھتے تھے۔

"میری بات غور سے سنو میری بچی! تمہارا باپ ... کا سارا خاندان سخت مطلبی اور چال باز ہے۔ ... شخص کے ساتھ تمہارا تعلق جوڑا گیا ہے وہ بھی کبھی نہ کبھی ایسے ہی تمہیں تکلیف دے کر دوسری شادی کر لے گا۔ آزاد بھی نہیں کرے گا تاکہ تم بھی میری طرح تڑپو۔"

ابھی گفتگو کے دوران اس کی نظر سامنے کی سمت اٹھی تھی۔ شمیلہ کار سے نیچے اتر رہی تھی۔ غالباً وہ ڈرائیور کے ساتھ سیدھی یہیں پر آ گئی تھی۔ نیچے اترتے ہی وہ سیدھے آساد کی طرف بڑھی تھی اور دونوں ہاتھ آساد کے ہاتھوں میں دے دیے تھے۔ نجانے نیچے جھکی اب وہ کیا کہہ رہی تھی۔ آساد کے

بادشاہ

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید رقہ میں فروکش تھا کہ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ بن مبارک کے یہاں تشریف لانے کی اطلاع ملی۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی لوگ بے تحاشا دوڑ پڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ ہزاروں آدمی ان کے استقبال کے لیے شہر سے نکل پڑے تھے۔ فضا پر غبار چھا گیا تھا۔

ہارون الرشید کی ایک حرم (ام ولد) نے محل کے برج سے جو یہ تماشا دیکھا تو پوچھا۔

"معاملہ کیا ہے؟"

حاضرین نے کہا۔ "خراسان کے ایک عالم جن کا نام عبداللہ بن مبارک ہے رقہ آ رہے ہیں۔"

بولیں۔ "بخدا بادشاہ تو یہ ہیں۔ بھلا ہارون کیا بادشاہ ہے جو پولیس اور سپاہیوں کے بغیر لوگوں کو جمع کر ہی نہیں سکتا۔"

(تاریخ علامہ ابن خلکان جلد 1 سے اقتباس)

(عروسہ شہوار، لکھنؤ)

چہرے کی چمک اور خوشی اسے اتنی دور سے بھی صاف نظر آئی۔ وہ ایک دم اٹھ کر اسے اپنے نزدیک بٹھانے لگا تھا۔

''اسٹاوی۔ آئی پی ٹریٹ مینٹ۔'' اس کے اطراف خطرے کے الارم سے بجنے لگے تھے۔ ''تم سن رہی ہو مائی ڈیئر! آجاؤ میرے پاس۔ اب میں بالکل تنہا ہوں۔ باقی کی زندگی ہم دونوں ماں بیٹی مل کر گزاریں گے۔ مجھے تمہاری بھلائی مقصود ہے بیٹا۔ میں تمہارا حشر عالیہ صدیقی جیسا بنتا نہیں دیکھ سکتی۔''

اس نے جھرجھری سی لے کر موبائل آف کر دیا۔ وہ سب قہقہے لگا رہے تھے۔ دونوں کے اطراف کو رس میں کھڑے کچھ کہہ رہے تھے۔ شمیلہ نے شرارتی انداز سے آساد کا غترہ اتار دیا تھا۔ اور بال بکھیر رہی تھی۔ آساد ہنس رہا تھا۔ یہ محض اس خفگی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یہ کچھ اور جذبے تھے جو آساد یوں اپنا آپ شمیلہ پر لٹانے کے لیے بے قرار تھا۔

وہ مضطرب سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ فوارے کا پانی ایک دم اسے کسی دیو کی مانند اوپر اٹھتا محسوس ہونے لگا تھا۔ سونامی کی لہروں کی طرح وہ اس کی جانب آرہا تھا۔

وہ دیوانوں کی طرح پلٹی تھی اور اسی کار میں جا بیٹھی تھی جو ڈرائیور نے ابھی ابھی شمیلہ کو ڈراپ کرنے کے بعد روکی تھی۔ ڈرائیور موجود نہ تھا ورنہ وہ اسی وقت واپس لوٹ جاتی۔ پھر حنان خیریت معلوم کرنے آئی تھی کاملہ اور حمزہ بھی آئے تھے۔ مگر وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیے بدستور کار کے اندر ہی رہی تھی۔ پھر اگلے دو دن جب وہ فیصلہ کی گھڑی پر لٹک رہی تھی تو ڈیڈی سے کسی طور گفتگو نہ ہو پائی تھی۔ ہاں مام اب بڑی آسانی سے جب دل چاہ رہا تھا اس سے رابطہ قائم کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل اسے بلا رہی تھیں، آوازیں دے رہی تھیں۔ ڈیڈی کی سنگدلی کی داستانیں سنا رہی تھیں۔ وہ

اچانک اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کر نے لگی ہر رشتہ، ہر محبت کمزور پڑنے لگی۔ صرف مام کی محبت کا جذبے پر بھاری تھی۔

اس دن وہ صبح صبح خدامہ سے چائے کا کہنے نیچے اتر رہی تھی کہ اس کی نظر نیچے بیٹھی ینگ جنریشن پر پڑی۔ کبھی کا قہقہہ کسی مذاق تھا۔ زبان سے ناواقفیت کبھی کبھی اسے از حد بور کر دیا کرتی تھی۔ وہ لوگ آپس میں عربی زبان ہی گفتگو کرتے تھے صرف ہمارے سے بات انگلش زبان میں ہوتی تھی۔

''کیا ہوا ہے جو یہ سارے اتنی صبح سارے چھوڑے یہاں جمع ہیں؟'' اس نے الجھتے اوپر کھڑے خدامہ سے اشارے میں وہ تیزی سے اوپر آکر دھیمے دھیمے خوشی سے نکال کر عربی میں نجانے کیا بولتی رہی۔ جب کے پلے کچھ نہ پڑا تو اسے جانے کا اشارہ کر سے نیچے جھانکا تو آساد اور شمیلہ ایک صوفے پر بیٹھے نظر آئے۔ سب بار بار انہیں دے رہے تھے۔ شمیلہ کے چہرے کی مسکراہٹ اور آساد کا مسرت سے دمکتا چہرہ۔

''کیا قصہ ہے؟ نجانے کیا ہو رہا ہے؟'' دل اچانک بیٹھنے لگا۔ شام تک جب کسی نے اسے کچھ نہ بتایا تو اسکی برداشت کی حد جواب گئی۔ کچھ اس کے خلاف ہو رہا تھا جو اس چھپانے کی کوشش کی جا رہی تھی اور شمیلہ کے تھا تبھی تو سب مل کر خوشی کے شادیانے تھے۔ شب کی شکلیں دیکھتے دیکھتے اور مسلسل کر جب وہ تھک گئی تو اس نے آخر کار حنان پوچھ لیا۔

''ارے تمہیں نہیں معلوم! شمیلہ کا رشتہ گیا ہے۔ عنقریب شادی متوقع ہے۔''

نجانے کیوں اس نے ''اچھا! مگر کس سے؟'' اپنے دل کو تیزی سے سکڑ کر سوکھا پتہ بنتے دیکھا۔

''یہی تو سرپرائز ہے۔ صرف شمیلہ جانتی ہیں باقی کسی کو علم نہیں۔'' وہ خوشی سے مسکرائی تھی۔

''اور آساد؟'' اس نے خوفزدہ سے لہجے میں دریافت کیا۔ ''کیا وہ جانتا ہے؟''

''آف کورس! وہ تو واقف ہوں گے ہی۔ ان کی رضامندی کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ شوخی سے ہنسی تھی۔

''سوری! پھر آرام سے بات کروں گی اس وقت تو خریداری کے لیے جا رہی ہوں۔'' وہ جلدی آنے کا وعدہ کرتی امی کے ساتھ نکل گئی۔

''سرپرائز دیں گی؟ ہونہہ! سب واقف ہیں صرف اسی سے مخفی رکھنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ یقیناً شمیلہ اور آساد کو کسی رشتے میں باندھا جا رہا ہے۔ تبھی تو کہہ رہی تھی کہ ان کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں۔''

جسم کے درخت سے سوکھے پتے کی طرح کانپتا دل، اچانک لہراتا نیچے گرا۔ ہمارا تمہاری اہمیت اس گھر میں اب صفر کے برابر ہے۔ ماں موجود نہیں۔ باپ کوئی نئی نویلی دلہن سے فرصت نہیں۔ سمجھ رہے ہیں کہ لاوارث لڑکی ہے کون سوال جواب کرے گا۔ جو چاہو سلوک کر لو۔ بے تحاشہ روتے ہوئے اس نے مام کو فون ملایا تھا اور ہر وہ بات جو اس کے دل میں کھٹک رہی تھی، ان سے کہہ ڈالی تھی۔

''ابھی تمہارا صرف نکاح ہوا ہے آساد کے ساتھ، فکر کیوں کرتی ہو۔ اسی لیے میں تمہیں سمجھاتی تھی کہ اس خاندان پر بھروسہ مت کرو۔ اب تم جتنی جلدی وہاں سے نکل سکتی ہو۔ نکل لو۔'' پھر دیر تک مام اسے تسلی دلاسے دیتی نجانے کیا کیا سمجھاتی رہیں۔

شام کو جدی کے کمرے میں وہ ان کے سامنے بیٹھی بضد تھی کہ اس کا پاسپورٹ وغیرہ اس کے

غزل

سلیمان فراز، حسن پور

آنکھوں میں بس گئی تری تصویر کیا کریں
لیکن جدا ہماری ہے تقدیر کیا کریں

بہتر یہی ہے آپ ہمیں بھول جایئے
الٹی ہے اپنے خواب کی تعبیر کیا کریں

کاغذ قلم ہے ہاتھ میں لکھنا ہے حال دل
بیٹھے ہوئے ہیں سوچ میں تحریر کیا کریں

ہے یار ہم کو وعدہ ملاقات کا مگر
حالات کی ہے پاؤں میں زنجیر کیا کریں

قسمت سے تو ہماری بہت دور ہوگیا
دل سے لگا کے اب تری تصویر کیا کریں

کہتے ہیں جس کو حوصلہ وہ آپ میں نہیں
ہاتھوں میں دیکے آپ کے شمشیر کیا کریں

آنکھوں میں اک ہجوم ہے خوابوں کا اے فراز
ملتی نہیں مگر انہیں تعبیر کیا کریں

حوالے کیا جائے۔ وہ چند دن کے لیے دوبئی گھومنے جانا چاہتی ہے۔

''تمہارا پاسپورٹ میرے پاس کہاں سے آیا۔ جس دن تمہارا اقامہ بن کر آیا تھا وہ اسی دن تمہارے کفیل کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ اب اقامہ اس کے حوالے کرو گی تو پاسپورٹ ملے گا۔''

''کون ہے میرا کفیل؟'' وہ اب جلد سے جلد اس جگہ کو چھوڑ دینا چاہتی تھی۔

''آساد کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جاؤ اسی سے بات کرو۔'' جدی نے مزید گفتگو

سے انکار کر دیا اور کچھ لوگوں سے ملاقات کے لیے اٹھ گئے۔

مجبوراً اسے شام تک آساد کا انتظار کرنا پڑا۔ پھر گفتگو کے لیے اس کے گھر بھی جانا پڑا۔

"کیوں جانا چاہ رہی ہو؟ کس کے ساتھ جاؤ گی؟ عمو فہد شاید اسی جمعہ تک آ جائیں۔ پھر تمہارا وہاں جانا کیا معنی رکھتا ہے؟" وہ نہایت سنجیدگی سے جرح کر رہا تھا۔

"میں کسی سوال جواب کی پابند نہیں ہوں۔ بس تم میرا پاسپورٹ میرے حوالے کرو۔ ٹکٹ وغیرہ کا بندوبست میں خود کر لوں گی۔" وہ مشتعل تھی۔

"پہلے مجھے یہ بات بتاؤ کہ کیوں دوبئی جانے کا خیال اچانک تمہارے دماغ میں آیا۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے راستہ روکے کھڑا تھا۔ "ورنہ پاسپورٹ کو بھول جاؤ۔" کہتے کہتے اس کی نظر سمارا کے گلے میں پہنے چین پینڈنٹ پر پڑی تھی۔ جسے پرلز تا ہوا وہ شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ باوجود چاہنے کے سمارا اسے دوبارہ اتارنے کی ہمت نہ کر سکی تھی۔ نجانے کس طاقتور جذبے نے اس کے ہاتھ روک دیے تھے۔

"کوئی زبردستی ہے؟" اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔ "کیا میں یہاں آ کر قید ہو گئی ہوں۔ کہیں جا بھی نہیں سکتی۔"

"ضرور جا سکتی ہو۔ لیکن فی الحال ممکن نہیں۔ عمو فہد کے آنے کی خوشی میں جدی ایک زبردست تقریب کا اہتمام کر رہے ہیں۔ اس میں تمہارا موجود رہنا بے حد ضروری ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں چمکتے موتی دیکھ کر باقاعدہ اس سے نظریں چرا گیا۔

"ہاں، وہ تو کریں گے ہی، بہت بڑا کارنامہ کر کے آ رہے ہیں نا۔" وہ از حد تلخ ہو گئی۔ "ٹھیک ہے وہ فرائی ڈے (جمعہ) کو آ رہے ہیں۔ تو میں اگلے دن سیٹرڈے کو نکل لوں گی۔ اس پر تو کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" وہ مسلسل اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔ ادھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"عالیہ آنٹی کہاں ہیں آج کل؟ کبھی تمہارا ان سے ملنے کو نہیں چاہتا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ وہ ان دنوں دوبئی میں ہوں۔" اس کی تیز، چمکتی نظریں کو سیدھی دماغ کے اندرونی خانوں میں گھستی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا تھا۔

"ایسا کرو۔ فی الحال ان سے فون پر بات کر... میں کرا دیتا ہوں۔ بعد میں جا کر ان سے مل لینا..." اس کی نظریں بدستور سمارا کے چہرے پر جمی تھیں۔

"ٹھینک یو سو مچ۔ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میری ان سے کئی بار گفتگو ہو چکی ہے۔"

"اوہو۔" وہ گہری سانس لے کر مسکرا دیا۔ "ٹھیک ہے تم اپنا اقامہ بھی میرے حوالے کر دو۔ تمہارا ٹکٹ، پاسپورٹ سب میں دو تین دن میں بنوا دوں گا۔ تم آرام سے چند دن گھوم پھر آؤ۔ لیکن رہے جمعہ کی تقریب میں شامل رہنے کے بعد۔"

سمارا نے پرس سے اقامہ نکال کر اسے دیتے ہوئے سکون کی سانس لی تھی۔ چلو وہ جلدی ہی مان گیا تھا۔ خود ہی ٹکٹ وغیرہ سب کرا دے گا۔ وہ بہت سی دردسری سے بچی رہے گی۔ گھر میں جمعہ کی تقریب کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ سب اپنے اپنے لباس کے لیے فکرمند، شاپنگ سینٹرز کے چکر پہ چکر لگا رہے تھے۔ کسی کو سمارا سے بات کرنے کی فرصت نہیں تھی یا شاید اب اسے اس قابل ہی نہیں سمجھا جا رہا تھا۔ وہ فالتو پرزہ تھی اس گھر کی مشین کا۔ آساد سے متعلق ہو کر جو تھوڑی بہت حیثیت اسے حاصل تھی ظاہر ہے کہ وہ شمیلہ کے شامل ہو جانے کے بعد ختم ہی ہو جاتی تھی یقیناً شمیلہ اسے آساد کی زندگی سے نکلوا ہی دیتی۔ اس نے ابھی تو شمیلہ کو مدینے واپسی کے دوران کیسی کیسی دھمکیاں دی تھیں اور یہ منہ توڑ جواب ہی تھا شمیلہ کی جانب سے اس کے لیے۔ محبتیں زبردستی تو وصول نہیں کی جا سکتیں۔ اور جب محبت دینے والا ہی آنا کانی کر رہا ہو تو بہتر یہی ہے کہ وہ دونوں کے درمیان سے خاموشی سے نکل جائے۔ مگر آساد سے بچھڑنے کے بعد کیا ہو گا؟ کیا وہ خوش رہ پائے گی؟ یقیناً نہیں! مگر وہ جی لے گی۔ بالکل تنہا! صرف یہ سوچ کر کہ وہ آساد کو شمیلہ کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اس نے اپنا سانس عجیب انداز میں گھٹتا سا محسوس کیا۔ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول کر اس نے کتنے ہی گہرے سانس لیے تھے۔

☆☆☆

کہا لفظوں سے پھولوں کی مہک آنے لگی کیسے

جواب آیا محبت کا مجھے اظہار کرنا ہے

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" حنان فیروزی رنگ کی میکسی پہنے اس کے سر پر سوار کھڑی تھی۔ "رات آٹھ بجے تک ہم سب کو ہوٹل جانے کے لیے نکل جانا ہے۔ مہمانوں کو نو بجے رات کا وقت دیا گیا ہے۔ میں حبابہ کو آواز دیتی ہوں۔ انہوں نے کس چاہت سے تمہارے لیے یہ سفید رنگ کی میکسی تیار کرائی ہے۔ عمو فہد کے آنے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے جلدی جلدی کا اعلان کر رہی تھی۔ "اخویا آساد انہیں لینے ایئرپورٹ گئے ہیں۔"

"حبابہ کو مت بلاؤ۔ میں پہنے لیتی ہوں۔" وہ تھکی تھکی سی پژمردہ سی نظر آئی۔ اگلے دن دوبئی روانگی کے لیے اس نے سارا سامان پیک کر لیا تھا حالانکہ ابھی تک پاسپورٹ ٹکٹ کچھ ہاتھ نہ لگے تھے مگر آساد نے وعدہ کیا تھا کہ وہ تقریب کے اختتام تک ساری چیزیں اس کے حوالے کر دے گا۔

... بھی لڑکیوں

اُمّی بیوٹیشن کو لیے اندر آ گئی تھی۔ "تم بھی اس سے مستفید ہو جاؤ۔ بہت ایکسپرٹ ہے ہیئر اسٹائل وغیرہ بنانے میں۔" وہ مصری بیوٹیشن کو عربی میں سمجھانی باہر نکل گئیں۔ پھر عمتی خدیجہ، عمتی فاطمہ اور مریم بھی کچھ نہ کچھ سجانے کا سامان لیے کمرے میں چلی آئیں۔ مریم نے اس کے ہاتھوں اور پیروں پر ٹیٹو لگا کر انہیں رنگین کیا تھا۔ "مہندی لگانے کا وقت نہیں، سبھی لڑکیاں اسی سے نقش و نگار بنوا رہی ہیں۔ پھولوں کے درمیان گلیٹرز (چمکی جیسی) بھر دیں گے تو مزید خوبصورت لگیں گے۔" عمتی خدیجہ نے بالوں کے سیٹ ہو جانے کے بعد، اس میں بچے موتی پروئے تھے اور آخر میں حبابہ نے لمبے آویزوں والا ہیرے کا سیٹ پہنایا تھا۔ ادھر میک اپ بہت زیادہ گہرا تھا۔ میکسی سفید ضرور تھی لیکن بے حد قیمتی اور بھاری کام کی تھی۔ جل پری جیسا ڈیزائن تھا اس کا۔ ٹائٹ اور بہترین فٹنگ کی۔ "کیا سب کو ایسے ہی تیار کیا جا رہا ہے۔" وہ پریشان سی ہو گئی۔ اتنے لوگوں کی توجہ یونہی آنکھوں کو دھندلائے دے رہی تھی۔

"عمو فہد آ رہے ہیں، تمہیں تو آج سب سے زیادہ خوبصورت نظر آنا چاہیے۔" مریم مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اور پھر کل ہمیں چھوڑ کر نجانے کتنے دن کے لیے جا رہی ہو۔ بس آج ہمیں اپنے دل کے ارمان نکال لینے دو۔" عمتی خدیجہ نے اسے بے ساختہ گلے سے لگا لیا۔

"ہونہہ!" اب چلتے وقت سب کی محبتیں پھوٹی پڑ رہی ہیں۔ پچھلے ایک ہفتے سے کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی۔ چلو جانے کی وجہ سے ہی سہی، کچھ تو عزت ہوئی اس کی۔ ہاں آج اسے سب سے حسین ضرور نظر آنا چاہیے۔ جاتے

جاتے ایک آخری بے حد حسین روپ وہ آساور کے
دماغ میں اپنا نقش چھوڑ جانا چاہتی تھی۔
ڈیڈی اس سے ملنے پوری چلے آئے تھے۔
اب تک وہ سنجیدہ ہوچکی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے
وہ ہر تک اس کے پیچھے ہٹ گئے رہے جبکہ وہ [illegible]
وہ [illegible] کی انتظار رہی۔
فرحت دل اس کے پیچھے پیچھے آنے لگے [illegible]
ذرا کہ ذرا جذباتی ہوگئے تھے۔ ہیں اسے دیکھ کر
پھر کچھ جاتے ہی [illegible] میں۔ اس کی نظریں
ہال میں دور تک کسی کو تلاش کررہی تھیں۔ [illegible]
بھی اس سے ملا ہوا نہیں سمجھ رہی۔ شاید
تقریب کے اختتام [illegible] ڈیڈی [illegible] پیچھے گھر
والے ڈیڈی کے کہنے ہی کے دو سہیلیوں سے ملتی
جو وقت سے اس نے شاید طریقے بیٹھنے سے تعارف
کرایا ہے۔ سب جانتے اس سے [illegible] وہ ہر خود اندر
میں مسکرا رہی تھی۔

ایک بہت بڑا ہال اس تقریب کے لیے بک
کرایا گیا تھا۔ مہمانوں کے لیے بیٹھنے کا انتظام تھا
اور خواتین کے لیے الگ۔ دوسرے ہال سے پہلے ایک
ریسپشن ہال تھا جہاں سب نے اپنے اپنے عزیز
اہتمام کرتے، بیگ میں ایک کرکے [illegible]
میں رکھوا رہے تھے۔ اس ہال کے ایک جانب وہ
[illegible] کرے اور [illegible] سب کے ساتھ
[illegible] ہال کی طرف [illegible] چلی گئی تھیں۔
[illegible] کرنے کے بعد [illegible] اسے
طرف [illegible] بہت تیزی سے بڑھتے جا
رہے تھے۔ [illegible] کی نظر شمیلہ پر پڑی تھی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] حد خوبصورت [illegible]
لب [illegible] چھپانے [illegible] جارہی تھی۔
[illegible] شمیلہ کی شادی نہیں ہو
رہی [illegible] ہوگئی

ثانی بیوی کی موجودگی بھی ضروری خیال کی [illegible]
اس لیے اسے آج کی اس تقریب میں [illegible]
گیا ہو۔
"بے حد شاندار میرج ہال ہے۔ آج [illegible]
کی تقریب کے لیے یہ بہترین جگہ ہے۔" [illegible]
آنکھوں میں کتنی نزدیک سے گزری تھی [illegible]
خیال کو جھٹکی سی نکل گئی تھی۔ "اب کیا ہوگا؟"
کیا اسی لیے آساور آج کی تقریب کے [illegible]
اور بادشاہت اس کے حوالے کرنے کے [illegible]
تھا تاکہ وہ یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھے
کرے اور سمجھے کہ آساور کے ساتھ [illegible]
ساتھ بدتمیزی کا کیا انجام ہوتا ہے۔ کیا [illegible]
بربادی کے جشن میں شریک ہونے آج [illegible]
تھے انہیں کوئی فکر نہیں ہے اس کی [illegible]
وہ ضرور فکر ہوگی بھی تو اسے [illegible]
رہے تھے۔ اور اگر ابھی تھوڑی دیر بعد [illegible]
اس سے یہ پوچھنے آگئے کہ بحیثیت [illegible]
تمہیں آساور کے دوسرے نکاح پر کوئی [illegible]
نہیں ہے تو وہ کیا جواب دے گی؟
اس ایک خیال نے اچانک اسے [illegible]
سامنے اسٹیج پر پھولوں سے لکھا "آساور [illegible]"
آمنہ اسے دھندلا سا نظر آنے لگا۔
"کیا ہوا؟" حنان اس کے نزدیک ہی تھی [illegible]
ایک دم ہی سہارا کو سنبھال لیا تھا۔
"میری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی [illegible]"
اس کی کیفیت ہو رہی تھی جیسے بس اب وہ [illegible]
"چلو کسی پرسکون جگہ پر تھوڑا آرام کرو [illegible]
مہمان زیادہ تر آنے شروع بھی نہیں ہوئے [illegible]
تو صرف گھر کے ہی لوگ ہیں۔" وہ اسے [illegible]
سہارے اٹھا کر ہال سے باہر نکل گئی۔ [illegible]
سے گزرتے ہوئے روشنیوں والے کمرے [illegible]

آئی۔ "یہ کمرہ ہم نے فوٹو گرافی کے لیے مخصوص کیا
تھا۔ ابھی خاندان کے افراد یہاں گروپ میں آکر فوٹو
کھنچوائیں گے۔ آخر کو یہ ایک یادگار تقریب ہے۔"
"یادگار تو بے شک ہے۔ ایک بیوی کی موجودگی
میں دوسری شادی کی جارہی ہے۔" وہ آنکھیں بند
کیے سوچ کر پریشان ہوئے جارہی تھی۔
"میں ذرا مہمانوں کو ریسیو کرلوں۔ اصل میں آج
میری کچھ خاص دوستیں آرہی ہیں۔ ان میں سے کچھ
گھر والے بھی مہمان ہیں۔ تم یہیں آرام کرو۔ طبیعت
ٹھیک ہوتے ہی چند پوز بنوا کر تو مجھے ہال میں لیڈی
فوٹو گرافر کو ادھر بھیج رہی ہوں۔" حنان جلدی
میں تھی اس کا جواب سنے بغیر ہی باہر نکل گئی۔
پھر فوٹو گرافر عورت کے ساتھ خاصا [illegible]
(حنان) کا چہرہ بھی لے آئی تھی [illegible] اس
کی طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ ادھر [illegible]
[illegible]
اس کے چند پوز لینے میں کامیاب ہوگئی تھیں اور پھر
جب وہ سخت اکتانے لگی تھی [illegible] فوٹو گرافی
سے منع کرچکی تھی تو آساور نے اندر کمرے میں قدم
رکھا تھا۔
وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ چلو آخری بار اس سے بھی
ملاقات کرلی جائے۔ پھر قسمت کہاں ساتھ دینے
والی تھی۔ شاید وہ اس کا تخت اور بادشاہت دینے آیا
ہوگا۔ وہ انداز سے نگاہیں اٹھا کر دیکھنے لگی۔
بالکل بادشاہوں جیسی دلہن تھی اس کی۔ آف
وائٹ کڑھائی والی [illegible] پر، شیڈو رنگ کا گاؤن سا
پہن رکھا تھا جس پر گولڈن تاروں کا کام تھا۔ آنکھوں
میں چمک سی، خوشیوں سے دمکتا رنگ اور ہنسنے سے
پڑتے اس کے ڈمپل۔ غالباً وہ اسے بے بس اور
لاچار محسوس کرکے ہنس رہا تھا۔
"بھئی کچھ یادگار فوٹو گراف ہمارے ساتھ بھی
ہو جائیں۔ پھر تو تم کل چلی ہی جاؤ گی۔" وہ مسکراتا
اس کے نزدیک آکر بیٹھ گیا۔

غزل

صاحبزادی جہاں بیگم حیدرآباد

سنہرے خواب تمہارے جگا کے رکھے تھے
چراغ کتنے نظر میں جلا کے رکھے تھے
تھک [illegible] وہ شبنم مزاج ہم جیسی
گلاب آگ میں پھر بھی کھلا کے رکھے تھے
بچانے وقت کے آسیب سے تیرے ارماں
سدا حصار میں اپنی دعا کے رکھے تھے
تری نظر سے گرے ہم تو یوں لگا جیسے
خزاں کے برگ تھے شاخ پر ہوا کے رکھے تھے
لہو سے سینچ کے ہر لمحہ عمر بھر ہم نے
ہر ایک فصل میں گلشن سجا کے رکھے تھے
گزرنے والے جہاں سے وہ تھے جہاں ہم نے
تمام فرش گلوں کے بچھا کے رکھے تھے
عجیب سا اک حشر تھا میرے اندر
بپا گلوں نے چہرے جو باہر لگا کے رکھے تھے
بچھڑنے والوں نے اشکوں میں جلتی آنکھوں کے
چراغ پانی پہ جیسے جلا کے رکھے تھے
کتاب دل میں چھپا کر قدیم یادوں کے
یہ پھول آپ نے کس کی عطا کے رکھے تھے

کس قدر خوش ہے۔ وہ وہاں ہی ہوکر اسے دیکھنے
لگی۔ وہ فوٹو گرافر عورتوں کو [illegible] میں کچھ ہدایات دے رہا
تصویر بنوانے لگا۔ اور جب اس نے سہارا کے شانوں
پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپنے نزدیک کیا تو سہارا
نے اپنے وجود میں ارتعاش سا محسوس کیا۔
"بس اتنے ہی کافی ہیں۔" وہ وحشت زدہ سی
پیچھے ہٹ گئی۔ "او کے!" وہ پھر اپنی زبان میں ان
عورتوں سے کچھ کہنے لگا۔ دونوں مسکرائیں [illegible]

میں اٹھائے باہر نکل گئیں۔

''ہاں! اب بتاؤ کہ کیا بے وقوفیاں اور الٹی سیدھی حرکتیں کرتی پھر رہی ہو تم؟'' وہ کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے واپس اس کی طرف لوٹ آیا۔

''تم کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ تم بس اپنی سرگرمیوں پر نظر رکھو۔'' وہ خفا نظر آئی۔

''ایسا کیوں کر ممکن ہے؟ اپنے ساتھ مجھے تمہارے معاملات پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے ورنہ خمیازہ تو مجھے ہی اٹھانا پڑے گا۔'' وہ ہنستا ہوا واپس اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔

''میرے سلسلے میں مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کل چلی ہی جاؤں گی اور ہو سکتا ہے کہ پھر کبھی واپس ہی نہ آؤں۔ تم اپنی شمیلہ کے ساتھ شادی کر کے خوش و خرم رہو۔'' اس کی ذرا سی توجہ پر سمارا کی آواز بھرا سی گئی۔ وہ اپنا غصہ ایک طرف رکھتے ہوئے رک سا گیا۔ پھر ایک دم ہنس پڑا تھا۔

''میری شادی وہ بھی شمیلہ کے ساتھ! یہ اتنی اہم خبر کس نے دی تم کو؟''

''کوئی بتانے کو تیار ہی نہیں ہے۔ سب سرپرائز کا بہانہ کر کے چھپائے پھر رہے ہیں۔ مگر کیا میں عقل نہیں رکھتی۔'' وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پاگل لڑکی! تمہاری عقلمندیوں کا اندازہ لگانے کے بعد ہی میں نے اپنی جنگ تمہارے ساتھ ختم کرانے کا اعلان کر دیا تھا۔ ورنہ ابھی تو تمہیں ستانے کے بہت سے آئیڈیاز تھے میرے پاس! شمیلہ کی شادی میرے ساتھ کیوں کر ہو سکتی ہے۔ تم ہو نا، میری زندگی میں موجود۔'' وہ اس کے ہاتھ کو تھامے ہوئے نرمی سے مسکرا دیا تھا۔

''تمہارا کیا بھروسا! ایک کی موجودگی میں دوسری کر لیتے ہو۔ اب ڈیڈی کو ہی دیکھ لو۔ تادیبہ

کے معاملے میں ہر کسی کو جھٹلا رہے تھے۔ اب

کرلائے تا اس کے ساتھ شادی۔ مام کیا کر

بس دیکھتی رہ گئیں۔'' وہ باقاعدہ رونے پر آ گئی۔

آسادی بات پر اسے یقین ہی نہیں آیا تھا

آنکھوں سے دیکھا تھا سب کچھ۔ یقین کی

پرایسے کیوں کر چڑھ جاتی۔

''اور یہ اطلاع بھی یقیناً تمہیں عالیہ آنٹی

دی ہوگی۔'' وہ اسے رونے پر آمادہ دیکھ کر بے

سا ہو گیا۔

''تو کیا غلط ہے یہ خبر۔'' اس کی آنکھیں

لگیں۔

''سراسر جھوٹ ہے۔ تادیبہ عزیز عمو کی زند

میں کبھی اس طرح شامل نہیں رہی کہ وہ اس

شادی کرتے۔ بے شک عالیہ آنٹی کو لے کر

گیا۔ وہ مسلسل تادیبہ کو زک پہنچانے کی کوشش

رہیں اور اس کے خاندان کو تباہ و برباد کرتی رہیں

اگر عمو ڈھال بن کر نہ کھڑے ہو جاتے تو ان لوگو

تو نام و نشان تک مٹ جانا تھا۔ اب عمو اس لڑکی

شادی اپنے کسی جاننے والے سے کرا کے آئے

تا کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔ اس کا مکمل ثبوت

ان کے پاس۔ تمہیں اور ہمیں سب کو مطمئن کر

کے لیے وہ ان ثبوتوں کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔

تمہاری شکی مام یقین کرنے کے بجائے یہ مشہور

دیا کہ انہوں نے خود ہی اس سے شادی کر لی ہے

اصل میں ان کے ساتھ خرابی یہ ہے کہ ایک بار

دماغ میں خناس بھر جائے، وہ کسی صورت نکلتا

نہیں، چاہے دوسرا شخص صفائیاں دے دے کر مر

کیوں نہ جائے۔''

''ارے!'' وہ اچھل ہی پڑی تھی۔ ایک دم اس

شانہ تھامے وہ نزدیک چلی آئی۔ ''کیا تم صحیح کہ

رہے ہو؟''

''ہنڈریڈ پرسنٹ (سو فیصد) صحیح ہے۔ عالیہ آنٹی اگر دشمنی پر اتر آئیں تو اپنے مقابلے پر آنے والے شخص کو خندق میں اتارے بغیر چین سے نہیں بیٹھتیں۔ چاہے اس کوشش میں وہ خود ہی کیوں نہ گر جائیں۔ اور تمہیں تو بدظن کرنے کی وہ ہر ممکن کوشش کریں گی کیونکہ تمہیں تو ہم سے چھیننے کا عہد کیے بیٹھی ہیں وہ؟ اس طرح سے عمو کے دل کو بھی تکلیف پہنچے گی اور تمہاری زندگی تو کانٹوں کی نذر ہو ہی جائے گی۔''

''وہ ایسا کیوں چاہیں گی آسادا! کم از کم میرے سلسلے میں تو ایسا نہیں کر سکتیں۔ وہ میری ماں ہیں۔'' وہ ٹوکے بغیر نہ رہ سکی۔

''اسی غلط فہمی میں ہو تم۔ عمو ہی بات تو تمہیں بتانے نہیں دیتے، ورنہ حقیقت حال بہت پہلے واضح ہو جاتی۔ وہ تمہاری اصلی ماں نہیں ہیں سمارا! سوتیلی ماں ہیں۔'' وہ سمارا کو اپنے نزدیک کرتے ہوئے نرمی اور ملائمت سے کہہ رہا تھا۔

یہ انکشاف اتنا بڑا تھا کہ سمارا کی سانس تک رک گئی۔

''ناممکن! جھوٹ بول رہے ہو تم۔ میں اپنی مام کی ہی بیٹی ہوں۔'' وہ سخت شاک میں تھی۔

''نہیں! تم عالیہ صدیقی کی نہیں بلکہ میری خالہ رقیہ کی بیٹی ہو۔ تم پہلے اپنے ذہن کو مکمل طور پر پرسکون کر لو۔ ٹینشن مت لو پلیز! پھر میں تمہیں پوری کہانی سناتا ہوں۔ میری نظر میں اب یہ حقیقت تم سے چھپانا قطعاً غلط ہے۔'' وہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے پریشان سا ہو گیا تھا۔

''رقیہ خالہ ہمارے خاندان کی سب سے زیادہ حسین لڑکی تھیں۔ عمو فہد آسٹریلیا سے پڑھائی کے دوران چھٹیاں گزارنے جب یہاں آئے تو اتفاق سے انہیں دیکھ لیا اور فوراً شادی کی ضد کر بیٹھے۔ بے

غزل

ضمیر اعظمی، نئی دہلی

دل تو تمہیں ہم سے ہی بچے تھے اب یہ جاں بھی تمہارا ہے

سوچ سمجھ کر عشق کیا ہے یہ نہ کہو عیاری ہے

کنبے کی عزت کی خاطر بوڑھے نے دم توڑ دیا

جانے کب کہہ دے یہ زمانہ یہ تو ایک بھکاری ہے

شہر کے بچے بچے نے جب قاتل کو پہچان لیا

رنگ بدل کر ظالم بولا میری سب سے یاری ہے

دل میں تو ہو خوف خدا کا اور آنکھوں میں ہوں آنسو

تب ہوتا ہے اثر دعا میں ورنہ سب مکاری ہے

جرم کے ہاتھوں بک جانا معمول ہے میرے رہبر کا

ملت کا کیا درد ہو اس کو وہ تو کاروباری ہے

ہوتے ہیں بدنام جہاں میں مہر و وفا کر کے بھی ضمیر

پیار و یار میں بھی ہے دکھاوا وعدہ بھی سرکاری ہے

شمار خاندان کے افراد آس لگائے بیٹھے تھے اس رشتے کے لیے لیکن امی اور بابا کے عمو کے حق میں ہونے کی وجہ سے جیت عمو کی ہوئی۔ پھر دونوں کی شادی آناً فاناً ہی ہوئی تھی چونکہ عمو کی پڑھائی کا سلسلہ جاری تھا اس لیے وہ شادی کے کچھ دنوں کے بعد ہی واپس آسٹریلیا چلے گئے تھے۔ پھر تم پیدا ہو گئی تھیں۔ تمہارا اس دنیا میں آنا اور خالہ کی زندگی کا چراغ گل ہونا دونوں واقعات ایک ساتھ عمل میں آئے تھے۔ امی بتاتی ہیں کہ عمو دیوانے سے ہو گئے تھے۔ ساری دنیا چھوڑے وہ ایک عرصے تک جدہ میں پڑے رہے۔ سبھی لوگ ان کی حالت دیکھ کر رقیہ خالہ کی موت صدمہ کا بھول گئے۔ بڑی مشکلوں سے سمجھا، بجھا کر دوبارہ آسٹریلیا روانہ کیا تھا۔ اس وقت تمہاری عمر ڈیڑھ سال تھی اور تم ہم لوگوں کے

ساتھ ہی بلکہ امی کی بانہوں میں پروان چڑھ رہی تھیں۔ عالیہ آنٹی آسٹریلیا میں عمو کے ساتھ ہوتی تھیں۔ عالیہ آنٹی آسٹریلیا میں تھیں دونوں نے کب ایک دوسرے کو پسند کیا، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جدہ میں سب کو کچھ عرصے بعد یہ خبر ملی تھی کہ دونوں نے شادی کر لی ہے۔ شادی کے بعد ہی وہ لوگ جدہ آئے اور تمہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ عمو نے انڈیا جا کر تمہیں آسٹریلیا میں پیدا ہوئی اپنی اور عالیہ آنٹی کی بیٹی مشہور کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس طرح تمہارے اندر خود اعتمادی پیدا ہوگی اور تم کبھی کمپلیکس کا شکار نہیں ہوگی۔ ہم سب نے ان کی خوشی کے لیے ہمیشہ زبانیں بند رکھیں۔ تمہیں عربی سے نابلد بھی عالیہ آنٹی نے اسی لیے رکھا تاکہ کوئی خاندان سے باہر کا فرد تمہیں اصلی حقیقت سے روشناس نہ کرادے۔ عالیہ آنٹی سے عمو کی کوئی دوسری اولاد نہ ہوئی۔ یوں عمو کی ساری توجہ اور دھیان تمہاری طرف ہی بڑھتا گیا۔ عالیہ آنٹی کو یہ احساس شدت سے تھا کہ تمہارے اندر عمو کی جان ہے۔ انہیں ہمیشہ اپنے کنٹرول میں رکھنے کی خواہش کے زیر تحت انہوں نے تمہارا رشتہ ابان شکیل سے جوڑا تھا۔ عمو نے بھی احتجاج نہیں کیا تھا۔ ان کی نظر میں رشتہ اچھا اور خاندان بہترین تھا لیکن جب نادیہ عزیز والا قصہ ہوا اور عمو نے محسوس کیا کہ اب عالیہ آنٹی تمہارے ساتھ عمو کی زیادتیوں کے بدلے اتاریں گی اور ان کی دشمنی میں تمہارا بڑے سے بڑا نقصان کردیں گی تو انہوں نے تمہیں فوراً وہاں سے روانہ کردیا اور مجھ سے تمہارا رشتہ جوڑنے کی خواہش کا اظہار کردیا۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔

سمارا اسے یوں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی جیسے وہ اسے الف لیلیٰ میں بیٹھ کر کوئی سحری داستان سنا رہا ہو۔

"میں کیوں کر یقین کرلوں؟ کیا کہانی سنا رہے ہو۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو مجھے اسی وقت کرنا چاہیے تھا جب میں لکھنؤ سے جدہ آئی تھی۔ طرح میں ہمیشہ اس سے محتاط رہتی۔" وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ بھی تمہارے ڈیڈی کی ہدایات میں سے ایک ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب تک وہ جدہ کاموں سے فارغ ہوکر نہ آجائیں۔ تب تک تم کو یہ ساری باتیں نہ بتائی جائیں۔ ہم سب کو بہت سے روکا تھا انہوں نے۔ تمہارے اپ سیٹ ہو جانے، پریشان ہوجانے کی ہر دم انہیں فکر تھی۔ وہ خود آگئے ہیں تو مجھ سے درخواست کی ہے کہ صورت حال سے واقف کردیا جائے۔ اب وہ یہاں ہیں تمہیں سنبھالنے کے لیے۔ چند تصاویر بھی دی ہیں انہوں نے مجھے، تمہیں دکھانے کے لیے۔" جیب میں سے کوئی لفافہ نکال کر تصویریں دکھانے لگا۔ ڈیڈی کی کم عمری کی تصاویر تھیں۔ سعودی لباس میں وہ ایک لڑکی کے ساتھ کھڑے تھے۔ لڑکی ہوبہو وہ خود تھی۔ ویسا ہی نقش، وہی رنگ و روپ، ایسا ہی قد۔ صرف آنکھوں میں تھوڑی سی تبدیلی تھی۔ سمارا کی آنکھیں ڈیڈی جیسی بادام کی طرح کی تھیں جب کہ اس لڑکی کی آنکھیں گہری تھیں۔ آج یہ بھید بھی کھل رہا تھا کہ وہ آخر کس کی شکل وصورت پر ہے۔ ساری زندگی وہ یہ سوچ کر پریشان رہی کہ اس کے نقوش نہ مام سے ملتے ہیں نہ ڈیڈ سے۔ یہ تو آج معلوم ہورہا تھا کہ وہ اپنی ماں کی کاپی تھی۔

"ڈیڈی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ جھوٹ، ساری زندگی میرے ساتھ بولتے رہے۔ مجھے میری اصلیت سے دور رکھا انہوں نے۔ پیدا کرنے والی میری ماں کو مجھ سے چھپایا۔"

کر رونے لگی۔

آسارو نے ہاتھ بڑھا کر اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ نجانے کتنی دیر رونے کے بعد بھی اسے قرار نہیں آیا تھا۔ ایک دم وہ جھٹکے سے اس سے الگ ہوئی تھی اور صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں ابھی ڈیڈی سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔ کیا سمجھا انہوں نے میری زندگی کو، مذاق؟"

"سوری! اس وقت تو تم باہر جا کر ڈیڈی سے نہیں مل سکتیں۔" آسارو نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"میں عبایہ پہن لوں گی مگر میری ملاقات ان سے بے حد ضروری ہے۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

"نو! عبایہ پہن کر بھی نہیں۔ کسی طرح بھی نہیں۔ کبھی دیکھا ہے تم نے کسی دلہن کو ادھر ادھر بھاگتے پھرتے۔ ارے کبھی تو میری عزت کا کچھ خیال کرلیا کرو۔" وہ شوخی سے اس کے آنسو پونچھتا، واپس صوفے پر بٹھا رہا تھا۔ "ڈیڈی سے جھگڑنے کے لیے پوری زندگی پڑی ہے۔"

"دلہن! کونسی دلہن۔" وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم اور کون! بے وقوف! اتنا بھی نہیں جانتی یہ جو لباس تم نے پہن رکھا ہے۔ یہ سعودی روایتی دلہن کا ہی تو ہے۔ پوری محفل میں تمہارے علاوہ کوئی اور سفید لباس میں نظر نہیں آئے گا۔ آج جو تقریب ہو رہی ہے وہ تمہیں رخصت ہوکر میرے گھر آنے کی خوشی میں ہی تو ہو رہی ہے۔" وہ ایک دم شوخ سے ہوگیا۔

"واٹ!" وہ صدمے سے اسے دیکھنے لگی۔ "بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ تم تو غالباً شمیلہ میں انٹرسٹیڈ تھے۔ دن رات اس کے آگے پیچھے گھومتا اور وہ بھی آنکھوں میں دو سو پاور کا بلب جلائے تمہیں تکتی رہتی۔" وہ بے ساختہ ہی ہنسنے لگا تھا اور ہنستا ہی چلا گیا

تھا۔

"آپ اس سلسلے میں کوئی نئی کہانی نہ سنانا۔" وہ تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر بولی۔ "کیوں کہ یہ میری آنکھوں دیکھی حرکتیں ہیں۔ سنی سنائی نہیں ہیں۔"

"چلو کچھ نہیں سناتا۔ اب تم جواب دو کہ جب ہمارا نکاح ہوا تھا اور میں دیوانہ وار تمہارے اطراف چکر لگاتا تھا تب کہیں تم نے شمیلہ کو میرے نزدیک پایا تھا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر، نہایت محبت کے ساتھ، امی اور بابا کی خواہش پر اور عمو فہد کی مرضی کا احترام کرتے ہوئے تمہیں اپنایا تھا۔ یہ طے تھا کہ عمو فہد کے آتے ہی تمہیں میری مکمل طور پر بن جانا تھا۔ درمیانی وقت میں تمہیں محض سمجھنے کے لیے نزدیک آنا چاہ رہا تھا۔ اور تم نے کتنی بے دردی کے ساتھ میرے جذبوں کا تماشا بنا کر رکھ دیا۔ تب میں نے شمیلہ کو مدد کے لیے بلایا تھا کہ وہ تمہیں جلانے کے اس ڈرامے میں میرا ساتھ دے۔" وہ قدرے سنجیدہ سا ہوگیا تھا۔

"تو وہ ڈرامہ تھا؟" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔ "لیکن صرف شمیلہ کے ساتھ ہی کیوں؟ تمہاری فیملی میں بے شمار لڑکیاں تھیں۔ میری ہی کزن کو میرا دشمن بنادیا۔" بظاہر غصہ کرنے کے باوجود نجانے کہاں سے ڈھیروں اطمینان سفید پروں والے پرندوں کی طرح اس کے دل کی منڈیروں پر آبیٹھا تھا۔

"ارے مرنا تھا کیا؟ مجھے دوسری لڑکیوں سے دوستی کرکے۔ گھر کے بزرگ میری گردن ہی نہ دبا دیتے۔ شمیلہ کی تو بات ہی اور ہے۔" وہ بے حد معصوم شکل بنا کر کہہ رہا تھا۔

"اور کیا بات ہے؟ بولو جواب دو۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم اسے پسند کرتے ہو۔ مجھے جلانے کے لیے دکھانے کے لیے ہی لیے وہ تمہیں نظر آئی کیوں کہ تم اس میں پہلے سے ہی دلچسپی رکھتے تھے۔

اور کوئی تو مجھے یہ بھی بتا رہا تھا کہ تمہارے اور اس کے بیچ انڈر اسٹینڈنگ بھی بہت ہے۔"

"دونوں باتیں درست ہیں۔" وہ سر ہلا کر فوراً تسلیم کر گیا۔ لیکن آنکھوں میں شرارت کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔

"اور اس کے باوجود تم سمجھ رہے ہو کہ میں اس رخصتی کے لیے راضی ہو جاؤں گی۔" وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔ ایک کے بعد ایک انکشاف نے اس کے دماغ کی نس نس کو ہلا ڈالا تھا۔

"میں ابھی باہر جا کر زور زور سے اعلان کروں گی کہ مجھے تمہارے ساتھ زندگی نہیں گذارنی۔" وہ سخت طیش میں اٹھی تھی مگر فوراً دو بانہوں میں قید کر لی گئی۔

"پاگل مت بنو۔" وہ جذباتی انداز میں سرگوشی کر رہا تھا۔ "اس کے ساتھ پسندیدگی، وابستگی، محبت ہر جذبہ قائم رکھا جا سکتا ہے۔ مگر زندگی صرف تمہارے ساتھ گذارنی ہے۔"

"کیوں؟" وہ اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے غضبناک شیرنی بن گئی۔

"اس لیے کہ بہن ہے وہ میری۔ دودھ شریک بہن، جب میں چار مہینے کا تھا امی سخت بیمار ہو گئی تھیں اور تب میں ممتی فاطمہ کی گود میں شمیلہ کے دودھ کا حق چھیننے پہنچ گیا تھا۔ اس رشتے سے بہن تو کاملہ بھی ہے مگر ساتھ دودھ پی کر شمیلہ زیادہ پیاری بہن ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ ویسے اب تو اسے بخش دو۔ اور اپنے دل میں موجود سارے بغض نکال دو۔ کیوں کہ اس کا رشتہ جدی کے ماموں زاد بھائی کے بیٹے سے طے ہو رہا ہے۔ لندن میں رہتے ہیں وہ لوگ۔ چند مہینے بعد شادی ہو کر وہ بھی وہیں چلی جائے گی۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔ یا ابھی بھی کوئی شکایت باقی ہے۔" وہ ہنستا مسکراتا ایکدم دل کے اندر دھڑکنے لگا تھا۔

"اور کبھی اپنے سلوک اور انداز پر غور کیا ہے میں نے آج تک شکایت نہیں کی۔ مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں نے یہ سب محسوس نہ کیا ہو۔ تم نے نکاح کرتے ہوئے ایک بار میرے دل میں خیال نہیں آیا کہ تم پہلے ابان سے منسوب رہ چکی ہو تو کہیں اسی کو دل میں بٹھائے ہو۔ حالانکہ نکاح کے بعد تمہارا رویہ چیخ کر مجھ سے یہی کہتا تھا۔ مگر میں نے صرف یہی سوچا کہ شاید انڈین لڑکیوں کے یہی انداز ہوتے ہیں محبت کرنے کے۔ وہ ایسا ہی سخت رویہ اپنے محبوب سے روا رکھتی ہوں۔ محبت کے اظہار پر بجائے شرمانے اور پھول کی طرح کھل جانے کے وہ سمٹ کر اپنے خول میں بند ہو جاتی ہوں۔ اور خفگی ظاہر کرنے لگتی ہوں۔ اب تم چاہو تو اسے خوش فہمی کہہ لو۔ مگر میں تمہارے کانوں جیسے رویہ پر یہی سوچ کر مطمئن رہتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ہمارے درمیان تعلق اور رشتے کی جو مضبوط ڈوری ہے جس سے تمہارے اور میرے دل باندھے جا چکے ہیں، وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔ ویسے دوبئی پہنچ کر مجھ سے ملنے کی ہدایات ملی تھیں؟ یہ بات میں نے پہلے کبھی نہیں سوچی مگر اب پوچھنے کے لیے مجبور ہوں کیوں کہ پچھلے دنوں تم اپنے دماغ سے نہیں عالیہ آنٹی کے دماغ سے سوچ رہی تھیں۔ کیا وہاں ابان تمہارا منتظر تھا؟" بظاہر وہ بڑے پرسکون انداز میں پوچھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تیرتی بے چینی اس کے منتشر دل و دماغ کی خبر دے رہی تھی۔

وہ شرمندگی کے جزیروں میں اتر گئی۔ بے تکلیف سے آساد کو دیکھتے ہوئے اس نے بے ساختہ اپنے ہونٹ کاٹے تھے۔

"نہیں مام خود ہی آنے والی تھیں مجھے لینے بلکہ آ بھی چکی ہوں گی۔ پھر اس کے بعد لکھنؤ جا

کا پروگرام بنا تھا۔ کیا تم نے میرے لیے ٹکٹ وغیرہ خرید لیے تھے۔" اس نے یونہی پوچھ لیا تھا۔

"تمام باتوں کو سمجھ لینے کے بعد یہ کیوں کر ممکن تھا۔ تمہاری اس دن والی گفتگو سے تمہارے خطرناک عزائم کا علم ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی عمو فہد کو اطلاع بھیجی اور پھر یہ میری اور ان کی مشترکہ کوششیں تھیں کہ آج تم اس روپ میں یہاں بیٹھی ہو۔ ورنہ عالیہ آنٹی نے تو غصہ اور حسد میں تمہیں ہم سے دور کرنے اور ورغلانے کا پورا انتظام کر لیا تھا۔"

"آئی ایم سوری۔" شرمساری نمی بن کر اس کی آنکھوں میں اترنے لگی۔ یخ بستہ اے سی والے کمرے کے باوجود پیشانی پر ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے۔ کہاں کہاں، کیا کیا غلطیاں ہوئی تھیں ازالہ کرے تو کیوں کر۔

"میں سخت بے وقوف تھی جو تم لوگوں کے پرمحبت جذبوں کو نہ سمجھ سکی۔ شاید اس لیے کہ میں بہت سی سچائیوں سے ناواقف تھی۔ نکاح کے بعد بھی میرا رویہ اسی لیے عجیب و غریب تھا کہ میں ذہنی طور پر شدید ڈپریشن کا شکار تھی۔ مگر آج شکر ادا کر رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے شخص کو میرا ہم سفر بنایا۔ اور آئندہ کے لیے محتاط رہو کیوں کہ نادانیاں اور بے وقوفیاں کرنا میری عادت میں شامل ہے۔ تمہیں بار بار معاف کرنا پڑے گا۔ اور پلیز! ابان کے متعلق کسی غلط فہمی کو دل میں نہ پالنا۔ وہ ممی ڈیڈی کا طے کیا ہوا ایک رشتہ تھا جو ان کی ہی مرضی سے ختم ہو گیا۔" وہ آنکھوں میں جھلملاتے بے شمار موتیوں کے ساتھ پہلی بار اپنی غلطیوں کو تسلیم کر رہی تھی۔

"ویسے تم نے بھی مجھے جلانے اور تڑپانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اگر ہار برداشت کر لیا ہے آئندہ اگر کسی لڑکی کے ساتھ مسکراتے، کھلکھلاتے نظر آئے تو حشر نشر کر دوں گی۔"

"اگر تم نے ذرا بھی محبت میں نخرے کیے تو ایسا ہی کروں گا۔" وہ ٹشو پیپر میں اس کی آنکھوں کے موتی جمع کرتا ہوا بولا۔

"ویسے لگتا ہے دوبئی شہر تمہیں بہت پسند ہے۔ کیوں۔ کیوں نا ہنی مون منانے وہیں چلیں۔ کل تو ویسے کی دعوت ہے۔ پرسوں نکل لیتے ہیں۔" وہ شوخ انداز میں پھر سے اسے چھیڑنے لگا تھا۔

مہکتے الفاظ

کسی آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔ (حکیم اقلیدس)

ہم سفید کوبخوں کا ایک غول ہیں جو نیلے آسمان میں اپنی اپنی منزل کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ خوش خوش۔ پھر کسی کو اپنی منزل خوبصورت باغ میں ملتی ہے اور کوئی رات کی سیاہی میں سخت چٹانوں سے ٹکرا کر خارزاروں میں گر پڑتی ہیں۔

(خلیل جبران)

دھوکا ہو یا دکھ تب ان کا صدمہ زیادہ اور حملہ شدید ہوتا ہے جب انسان ذہنی طور پر تیار نہ ہو۔ کئی تو اس صدمے کے نتیجے میں جان ہی ہار جاتے ہیں۔

(اختر عباس)

آدمی عزت اور اس سے زیادہ محبت کا آرزومند ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں نعمتیں جب دولت کے بغیر ملنے لگیں تو اصل دولت ہوتی ہے۔

(رخشندہ انجم، دہلی)

"اتنی زردی کی جگہ ہنی مون منا کر پیچھا چھڑا لو گے۔ مجھے سوئٹزر لینڈ جانا ہے سمجھے؟" بل کے بل اس کا موڈ بدلا تھا۔ وہ جتنی مشرقی جذبے لیانی نظروں سے اسے دیکھتی اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ آساد کتنے ہی پل بس دیکھے ہی گیا۔

"سنو! جب تک زندگی نے میرا ساتھ دیا تب تک ایکسٹرا اور ڈی نری (حد سے زیادہ) پیار کا وعدہ۔" وہ کلیوں جیسے لب وا کرتے ہوئے ناز سے اس کے شانے پر سر رکھے کہہ رہی تھی۔ آساد کی مسکراہٹ ایک دم گہری ہو گئی تھی۔

"سنو! ماما کے بارے میں اب ڈیڈی کا کیا فیصلہ ہے؟ کچھ تو اندازہ ہو گا تمہیں؟ بے شک وہ مجھے اپنی بیٹی نہ سمجھیں مگر میں نے تو انہیں ہمیشہ اپنی سگی ماں ہی سمجھا۔ ڈیڈی کے دل میں کوئی نرم گوشہ باقی ہے یا نہیں۔ میں ان دونوں میں علیحدگی نہیں چاہتی۔ آساد! کیا کوئی ایسی صورت ممکن نہیں کہ دونوں پھر سے یکجا ہو جائیں۔" وہ اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ ڈیڈی سے فی الحال ملاقات ناممکن ہی تھی اور یہ سوال مسلسل بے چین ہی کیے رکھتا۔

"کوئی نہ کوئی نرم جذبہ ضرور ان کے دل میں چھپا ہو گا کبھی وہ انہیں آزاد کر کے نہیں آئے۔ کہہ رہے تھے کہ عالیہ اتنی بری نہیں ہے شک اسے اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ نادیہ عزیز کو مکمل طور پر اپنی زندگی سے دور کر کے انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کے دل میں بہر حال عالیہ آنٹی کی گنجائش ہے۔ اگر وہ خود احتسابی کرتے ہوئے، شرمندگی محسوس کر کے یہاں آ جائیں گی تو عمو یقیناً معاف کر دیں گے لیکن اب خود لکھنؤ واپس نہیں جائیں گے۔ اگر تمہاری یہ خواہش ہے ہنیوں، کہ وہ دونوں مل جائیں تو ہم دونی جا کر انہیں سمجھا سکتے ہیں اور ساتھ لے کر یہاں آ سکتے ہیں ہنی مون کے لیے

اس کام کے بعد چلیں جائیں گے کیا خیال ہے؟"

"کیا وہ مان جائیں گی؟" وہ عقیدت سے اسے دیکھنے لگی یہی فرق تھا اس میں اور ابان میں اور شکر ہے کہ وہ اس فرق کو محسوس کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"ضرور مانیں گی کیونکہ سچائیاں دیر سے ہی لیکن اپنا آپ منوا کر رہتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم واش روم میں جا کر تھوڑا فریش ہو لو۔ میں بیوٹیشن کو اندر بلواتا ہوں۔ تمہارا میک اپ سارا خراب ہو گیا ہے۔ ابھی جا کر اندر ہال میں سب کے درمیان بیٹھنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تک سارے مہمان آ چکے ہوں گے۔" وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ آساد کی بانہوں میں بانہیں ڈالے، بے شمار مووی کیمروں اور روشنیوں کے درمیان اسٹیج کی طرف جا رہی تھی تو چاروں طرف سے ان دونوں پر پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ مصری میوزک تیز تیز بج رہا تھا اور وہ شاداب فرحاں سی سوچ رہی تھی کہ آخر کار اس کی زندگی کے راستوں سے غم کی دھول اڑ گئی تھی اور چاروں طرف خوشیوں کے پھول اگ آئے تھے جو اسے زندگی بھر خوش رکھنے اور مہکانے والے تھے۔ اور پھر جب اسٹیج پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے شمیلہ نے آ کر اس کے گلے میں پیار سے بانہیں ڈالتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"پلیز! اب مجھ سے ناراضگی ختم ہو جانی چاہیے۔" تو اس نے بھی ہنستے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔ آساد نے سمارا کو بڑی میٹھی اور نثار ہونے والی نظروں سے دیکھا تھا اور طمانیت سے مسکرا دیا تھا۔

جب سے تیرے نام کر دی زندگی اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا، تیری خوشی اچھی لگی
تیرا پیکر، تیری خوشبو، تیرا لہجہ، تیری بات
دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی

(ختم شد)

آپ کے مسائل کا دینی حل

علامہ روحانی

غصیلا شوہر

و.........بنارس

جناب میں بہت زیادہ پریشان ہوں میرا ذہنی سکون ختم ہو کر رہ گیا ہے میرے تین بیٹے ہیں ایک بڑے آفیسر کی بیٹی ہوں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے شکل وصورت، سیرت بہت اچھی ہے سب خاندان والے سسرال والے اور میکے والے تعریفیں ہی کرتے ہیں۔ سب کی عزت وخدمت کرتی ہوں لیکن گزشتہ ڈیڑھ سال سے میرے میاں نے دوسری لڑکیوں سے دوستیاں شروع کر دی ہیں اور مجھ پر بالکل توجہ نہیں دیتے۔ شوہر غصے کے بہت تیز ہیں شوہر کو دیکھ کر میرے ہاتھ کانپتے ہیں اور دل زور زور سے دھڑکتا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہے۔ یعنی جادو تعویز وغیرہ۔ پلیز اس جادو تعویز ختم کرنے اور شوہر کے پیار ومحبت کے لیے کوئی وظیفہ ضرور بتائیں۔

☆ آپ میں اعتماد کی کمی ہے۔ لیکن فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں نماز پنجگانہ باقاعدگی سے ادا کریں اور ہر نماز کے بعد 109 مرتبہ "یا شہید" پڑھ کر پانی پر دم کریں اور وہ پانی شوہر کو پلائیں۔

آمدن میں اضافہ

حافظ ہارون.........کانپور

میں ایک اکیڈمی میں پڑھا رہا ہوں جو کہ میری آمدنی کا ذریعہ ہے اس کے ساتھ ساتھ میں پڑھ بھی رہا ہوں آپ کوئی اسم مبارک بتائیں جس سے میری آمدنی میں اضافہ ہو اور میری مالی ضروریات پوری ہو جائیں۔

☆ اللہ تعالیٰ آپ کے ذوق علم میں اضافہ فرمائے۔ ہر نماز کے بعد 13 مرتبہ سورۂ نصر پڑھ کر دعا کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مسائل کو حل فرمائے۔

دو میں سے ایک کام

نوید اقبال.........سہارنپور

میں بیرون ملک جانا چاہتا ہوں لیکن ویزہ نہیں لگتا تین بار لندن ایمبیسی گیا ہوں۔ مگر وہ انکار کر دیتے ہیں [illegible]

میں ایم بی اے کا طالب علم ہوں جہاں کہیں بھی ملازم[illegible] آئی ہے وہاں درخواست دیتا ہوں، لیکن جواب نہیں [illegible] براہ مہربانی کوئی ایسا وظیفہ دیں جس سے میرے دو[illegible] میں سے کوئی ایک کام تو ہو جائے۔ تاحیات آپ[illegible] احسان مند رہوں گا۔

☆ بیٹا! اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ پر بھروسہ ر[illegible] آپ مایوس نہ ہوں۔ کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ نم[illegible] پابندی فرمائیں اور بکثرت "یا رفیع" پڑھیں۔

رشتہ نہیں آتا

نوشین.........بمبئی

میں ایک خوش شکل پڑھی لکھی اور برسر روز[illegible] ہوں میری عمر 22 سال ہے چھوٹی بہن کی شادی[illegible] ہے مگر میرے لیے کوئی مناسب رشتہ نہیں آتا اگ[illegible] کوئی نہ کوئی وجہ بن جاتی ہے اور رشتہ ختم ہو جا[illegible] کرم میرے مسئلے کا حل بتا دیں اور کوئی ایسا [illegible] بھی بتائیں کہ جس کے ذکر سے میری آ[illegible] پرسکون اور کامیاب گزرے۔

☆ آپ کے مسائل میں بندش اور نظر[illegible] ہے۔ "یا فتاح" بکثرت پڑھا کریں۔ نما[illegible] فرمائیں اللہ تعالیٰ ہر مشکل کو ٹالنے والا ہے۔

جھگڑا نہ ہو

نصرت منور.........چاند پو[illegible]

میں 26 سال کی ایک شادی شد[illegible] صورت حال یہ ہے کہ آج سے تقریباً نو[illegible] شادی ہوئی تھی اس دوران میرے با[illegible] ہوئے جن میں سے دو اللہ تعالیٰ کو پیار[illegible] شادی کے بعد میرے شوہر نے مجھے [illegible]